رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَا اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾

”جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ اطاعت کی اور جس نے رسول کی اطاعت سے منہ پھیرا تو ہم نے آپ کو ان نگران بنا کر بھیجا۔“ [سورة النساء:۸۰]

”عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ، قَالَ: ‹‹ مَنْ اَطَاعَنِىْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ يَعْصِنِىْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمَنْ يُطِعِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِىْ وَمَنْ يَعْصِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ عَصَانِىْ ›› [رواہ مسلم]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔“ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

وضاحت: یاد رہے کہ امیر کی اطاعت کتاب وسنت کے احکام کے ساتھ مشروط ہے۔

خیر وشر

ہماری ناقص رائے میں کفار کے دل آزار رویوں کا اس سے اچھا انتقام اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ جس راستے سے وہ ہمیں ہٹانا چاہتے ہیں ہم پوری عزیمت اور استقامت کے ساتھ اس راستے پر گامزن رہیں جس منزل تک پہنچنے سے وہ ہمیں خوف زدہ کرنا چاہتے ہیں ہم بلاخوف وخطر اس منزل کی طرف بڑھتے چلے جائیں۔ بعید نہیں دعوت وارشاد کے نتیجہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ آج کے شر سے ہمارے لیے بھی اس طرح خیر پیدا فرمادیں جس طرح تاتار کے شر سے خیر پیدا فرمادیا۔

یاد رہے 617ء میں چنگیز خان نے ممالک اسلامیہ پر حملے شروع کیے اور مسلسل سات سال تک لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمانوں کا خون بہایا اس کے بعد اس کے پوتے ہلاکو خان (651ء) نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کیا اور لاکھوں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ اتنے وسیع قتل عام کے بعد کسی کو توقع نہ تھی کہ مسلمان دوبارہ کبھی سر اٹھانے کے قابل ہوں گے، لیکن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی قدرت کاملہ ملاحظہ ہو کہ بعض مخلص علماء حق کی مسلسل شبانہ روز جدوجہد اور محنت سے ہلاکو خان کا پوتا نکودار اخان (بن اباقاخان بن ہلاکو خان، 680ھ) مسلمان ہوا اور تخت نشین ہوکر پر اپنا نام احمد خان رکھا۔ سلطان احمد خان نے اپنی مملکت میں کافرانہ رسم ورواج ختم کرکے اسلامی آئین نافذ کیا۔ سلطان احمد خان کی دعوت پر بہت سے دوسرے مغل سردار بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ خراسان میں ہلاکو خان کا پوتا غازا خان (بن ارغون خان بن اباقاخان بن ہلاکو خان، 696ھ) نے شیخ صدرالدین حموی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اپنا نام محمود خان رکھا۔ محمود خان نے اسلام قبول کرنے کے بعد اشاعت اسلام کے لیے بہت جدوجہد کی اور یوں فتنہ تاتار نہ صرف ختم ہوا بلکہ ایک بہت بڑے شر سے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی خیر پیدا فرمادی۔

بقول علامہ اقبال رحمہ اللہ ؎

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے
پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

حاصل کلام یہ ہے کہ کفار کے متصبانہ دل آزار رویوں کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے ہمیں تمام مروجہ طریقے استعمال کرنے چاہئیں لیکن اپنی اصل ذمہ داری یعنی اسلام کی دعوت اور نشر واشاعت سے لمحہ بھر کے لیے غافل نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی کوئی ایسا جذباتی یا انتہا پسندانہ قدم اٹھانا چاہیے جس سے دعوت اور نشر واشاعت کے مشن کو نقصان پہنچے۔

[حقوق رحمۃ للعالمین۔ از محمد اقبال کیلانی، ص: ۷۸، ۷۹]

فہرست

جنتیوں کا سلام

﴿ دَعْوٰهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [یونس:۱۰]

''جنت میں ان کی دعا ہوگی سبحان اللہ اور ان کا باہمی تحفہ سلام ہوگا اور ان کی آخری دعا یہ ہوگی: الحمد للہ......''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا ربّ ہے۔''

سلام کے فوائد

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک مومن نہ ہو جاؤ، اور تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تمھیں ایسا عمل نہ بتاؤں جس کو کرنے سے تم باہم محبت کرنے لگو (وہ یہ ہے) آپس میں سلام عام کرو۔'' [مسلم:۱۹۴،۱۹۵]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صبح کے وقت یہ کلمات پڑھے:

《 رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا 》

''میں اللہ کے ربّ ہونے پر، دین کے اسلام ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوں۔''

[رواه الطبرانی، السلسلة الصحيحه للالبانی: ٦/٤٢١، رقم:٢٦٨٦]

تو میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ ضمانت دیتا ہوں کہ خود اس کو ہاتھ سے پکڑ کر جنت میں داخل کراؤں گا۔''

احساسِ زیاں

اداریہ — حافظ احمد شاکر

وطن عزیز اس وقت مسائل کے انبار اور مصائب کے حصار میں ہے کس کس کو بیان کیا جائے اور کس کس کا ذکر کیا جائے۔ بدامنی ہے مہنگائی ہے، انارکی ہے، ایک ایک موضوع تفصیل کا متقاضی اور غور وفکر کے متعدد پہلو رکھتا ہے۔ سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ من حیث القوم ہم ربّ قدیر و رحیم کی یاد سے غافل ہو چکے ہیں۔ ہم اسباب سوچتے، ان پر انحصار کرتے، ان کو تلاش کرنے پر محنت کرتے اور ان کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں لیکن مسبب الاسباب کی طرف توجہ تو کیا اس کا خیال بھی شاید ہی کسی کو آتا ہو۔ مسبب الاسباب کو ہم نہ پکارتے ہیں اور نہ ہم اس پر انحصار کرتے ہیں بلکہ اس کے بندوں اور اپنے ناقص علم وفہم پر اعتبار کرتے ہیں یہ تقریباً وہی بات ہے جو اقبال نے کہی تھی ؎

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے　　　ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

مسبب کی طرف سے توجہ تو اسی دن ہٹنا شروع ہوگئی تھی جس دن ہم یعنی ہمارے حکمرانوں نے امریکہ کے آگے دست طلب پھیلا دیا تھا۔ اس کشکول گدائی میں امریکا خیراتی سکے جوں جوں ڈالتا رہا توں توں ہم اس کی مقصود و مطلوب خواہشات کے آگے نگوں ہوتے رہے۔ اکیسویں صدی کو اقوام اور تاریخ کس چیز کی صدی قرار دیتی ہیں یا دیں گی لیکن ہمارے یعنی مسلم امہ کے لیے عموماً اور پاکستانی عوام کے لیے خصوصاً تو یہ صدی غلامی کی صدی بن چکی ہے۔ یعنی غلامی کا بھیک نامی وہ قلادہ جو آج سے ساٹھ سو برس قبل ہمارے حکمرانوں نے گلے میں ہار سمجھ کر ڈالا تھا اب وہ ایک ایسا پھندا بن چکا ہے جو رگ جاں کو چھونے لگا ہے۔ لیکن ہم اپنے من کی مستیوں میں ایسے مست ہیں کہ ہمیں ہوش تک نہیں، خود سپردگی کی اس بری عادت کی وجہ سے ہم غیرت اور عزت کی اہمیت ہی کھو بیٹھے ہیں۔ ناکامی متاع کاروں کے چھن جانے کا نام نہیں ہوتا وہ احساس زیاں جانے کا نام ہوتا ہے۔

....

رقبے کے لحاظ سے پاکستان کے سب سے بڑے اور پسماندگی ومحرومی میں سب سے نمایاں صوبے بلوچستان پر اغیار ایک عرصہ سے نظر گاڑے ہوئے ہیں مرحوم صلاح الدین (مدیر تکبیر کراچی) بہت باخبر اور دین وملک کے خیر خواہ تھے انہوں نے ماضی کی ایک حکومت کے پڑوسی برادر اسلامی ملک سے بعض وعدوں اور معاہدوں کی کھوج لگا کر ان کو طشت از بام کیا تھا جو بلوچستان کے بعض معدنی ذخائر سے متعلق تھے جس کے ردّعمل بنا پر مختلف مواقع پر بلوچستان کے عوامی احتجاج کو شورش کا نام دے کر مختلف حکومتیں بلوچستان کے عوام کو دبانے بلکہ کچلنے کی کوشش کرتی رہیں جس سے عوام اور حکومت کے مابین ایک تناؤ کی سی کیفیت دیر تک رہی۔ 77ء کے فوجی انقلاب نے اہل بلوچستان کے ساتھ مصالحت کا ایسا رویہ اپنایا کہ وہ تصادم اور مزاحمت کا رویہ چھوڑ کر پہاڑوں سے اتر آئے تھے اور حکومت کی بلوچستانی عوام سے تناؤ کی کیفیت ختم ہو کر اعتماد کی فضا بحال ہونا شروع ہوگئی۔ اور اغیار کی بلوچستان میں فساد فی الارض کی کوششیں ایک بار ناکام ہوگئیں تھیں۔

حادثہ بہاولپور کے بعد نواز شریف کی جس حکومت کے دور میں موٹر وے کا منصوبہ منظور ہوا تھا اسی دور میں ایک انڈس ہائی وے...... کراچی تا پشاور براستہ بلوچستان...... کے منصوبے کا بھی اخبارات میں تذکرہ آتا رہا جسے غالباً ایک غیر ملکی فرم نے تعمیر کرنا تھا اور اس کی وصولی کا ذکر...... ایک مخصوص مدت تک...... ٹول ٹیکس کے ذریعے بھی آتا رہا۔ نیز اس انڈس ہائی وے کے اردگرد صنعتوں کی دیوار...... یعنی سینکڑوں کی تعداد میں کارخانے اور فیکٹریاں...... کھڑی کرنے کا پروگرام بھی تھا جو صرف بلوچستان اور اس کے عوام کی فلاح اور ان کی پسماندگی دور کرنے کی خاطر تھا۔ یہ منصوبہ کہاں

تک پہنچا؟ اوراس کے ثمرات کیا برآمد ہوئے؟ اس کے بارے میں افسوس کہ ہمیں کوئی خبر نہیں لیکن گن پوائنٹ پر قائم ہونے والی خلائی حکومت نے جہاں اورکئی کارنامے سرانجام دیئے۔ وہاں بلوچستان میں دوبارہ شورش کی فضا، سیاسی انارکی اور......میڈیا کے زور پر......بلوچستانی عوام کی کردارکشی کا کارنامہ عالمی طاقتوں کے لیے شاید بہت اہم تھا۔حتی کہ بلوچ لیڈر اکبر بگٹی کو اس وقت کے صدر مملکت نے چیلنج دے کر موت کے گھاٹ اتروادیا جسے کوئی سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والا مثبت عمل کبھی نہیں کہہ سکتا۔

اکبر بگٹی یا بعض دیگر بلوچ لیڈروں کے خیالات سے اتفاق نہ ضروری ہے اور نہ ہی علاقائی سیاسی لیڈروں کی سیاسی حکمت عملیوں کی غیر مشروط تائید ممکن ہوتی ہے تاہم وہ پاکستانی تھے۔ گھر کے کسی فرد یا خاندان کی کسی شخصیت سے اختلاف ہو بھی تو اس سے افہام وتفہیم، مذاکرات اور رابطوں سے ان کا حل نکالنا چاہیے جو عموماً مل جاتا ہے کیوں کہ اگر امریکا روس سے، فلسطین اسرائیل سے اور پاکستان بھارت سے مذاکرات کر سکتا ہے تو اپنے ہم وطنوں سے گفت وشنید کیوں ممکن نہیں؟ افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہ ہوسکا۔

....

آزاد ریاستوں کے معدنی ذخائر تک پہنچنے کے لیے صلیب نے افغانستان میں دہشت گردی کے نام پر جو جنگ شروع کی تھی اس میں وہ اب تک مسلم کشی کے جذبے کی تسکین کے سوا کوئی ''کامیابی'' حاصل نہیں کرسکا۔ اب عملی اور حقیقی حالات یہ ہیں کہ اس کے اپنے ہی بزرجمہروں کے بقول افغانستان میں طالبان سے جنگ جیتنا اتنی آسان نہیں (جتنا اس نے سمجھ لیا تھا)۔ طاغوت اپنی ناکامی کے اس دھبے کو دھونے کے لیے جنگ کو پاکستان میں گھسیٹ کر لا رہا ہے۔ سوات، مالاکنڈ اور فاٹا میں تخریب کاری کے بعد اب اس نے جنوبی پنجاب کا رخ کرلیا ہے جس کے لیے اس نے پہلے جنگجوؤں کے ڈی۔جی۔ خاں کی طرف بھاگ جانے کا پروپیگنڈا کیا جو کئی دن مختلف انداز میں چلتا رہا۔ طاغوت کے خبث باطن کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے یہ جعلی خبر لگوادی کہ ڈی۔جی۔خاں کے ایک مدرسہ سے اسلحہ وغیرہ پکڑا گیا جب کہ دو ہی دن بعد وفاق المدارس العربیہ کے ناظم مولانا محمد حنیف جالندھری نے اپنے رفقاء سمیت اس کی تردید کی ہے کہ ''یہ اسلحہ ایک مدرسے سے نہیں بلکہ ایک حویلی سے برآمد ہوا ہے۔'' ہمارا تاثر یا خدشہ یہ ہے کہ طاغوت ڈی۔جی۔ خاں کے راستے بلوچستان میں داخل ہوکر تخریبی سرگرمیاں شروع کرنا چاہتا ہے جس کا بہ ظاہر مقصد معدنی سرچشموں تک رسائی حاصل کرنا ہوسکتا ہے۔

بلوچستان کے بارے میں پچھلے دنوں ایک چھوٹی سی یہ خبر بھی اخبارات میں آئی تھی کہ بلوچستان میں سونے کے ذخائر تلاش کرنے پر ایک غیر ملکی کمپنی ۱۳۰ ارب ڈالر خرچ کرے گی۔ بلوچستان میں تیل کی موجودگی کی خبریں تو ایک عرصہ سے عالمی پریس میں گردش کررہی تھیں اب سونے کے ذخائر کا علم......کم از کم ہمیں......پہلی بار ہوا ہے جس سے دہشت گردی کی جنگ کا بلوچستان کی طرف رخ موڑا جانا سمجھ میں آنے لگا ہے۔ اس سے قبل تو گوادر بندرگاہ کے ذریعے طاغوت کی نظر چین کی نگرانی کا شہرہ تھا اب دھیرے دھیرے رازہائے دروں آشکار ہورہے ہیں کہ امریکا، روس بلکہ جملہ طاغوت کے اہداف گوادر بندرگاہ، تیل کے ذخائر اور سونے کی متوقع کانیں ہی ہیں جس کی وجہ سے امریکا روس اور بھارت کی تکون بنی ہوئی ہے اور یہی وجہ ہے ان تینوں کے پیٹ میں بار بار بلوچستان کی ہمدردی کا درد اٹھتا رہتا ہے۔

بلوچستان کے ذخائر کو حکومت اگر کام میں لائے تو وہاں خوش حالی ہو، بے روزگاری کم ہو، نئی نسل سرداروں کی غلامی اور اسلحہ سے شغل چھوڑ کر روزگار میں مصروف ہو تو کیا ایک بلوچ حکمران کا بلوچوں پر ہمیشہ رہنے والا احسان نہ ہوگا۔

جہاں ہمیں حیرانگی اس بات پر ہے کہ بلوچستان میں اغیار کے جو مقاصد ہم عامیوں کے ذہنوں میں آرہے ہیں کیسے ممکن ہے کہ وہ حکومت کے علم میں نہ ہوں لیکن حکومت ہے کہ ٹس سے مس نہیں ہورہی وہاں ہمیں حیرانگی اس بات پر بھی ہے کہ اخبارات کے مطابق بلوچستان کی تخریب کاری اور دہشت گردی میں بھارت کے ملوث ہونے کا بار بار تذکرہ آتا رہا۔ لیکن ہماری حکومت بلکہ ہمارے حکمران بھارت کی محبت میں مرغ بسمل کی طرح تڑپ بھی رہے ہیں اور دہشت گردی کو مشترکہ دشمن قرار دے کر پیار کا سندیسہ بھی بھیج رہے ہیں۔ **یا للعجب!**

معاشرتی مسائل

(آخری قسط)

مفرور لڑکیوں کا نکاح اور ہماری عدالتیں؟ 4

ایک سلگتا ہوا معاشرتی مسئلہ

تالیف وترتیب: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

مسئلہ زیر بحث کا عقلی جائزہ:

یہاں تک تو ساری گفتگو نقلی دلائل کی رو سے تھی۔ اب مختصر گفتگو عقل کی رو سے بھی ہو جائے، تاکہ اتمام حجت میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔

عورت کے بارے میں اسلام کا جو نقطۂ نظر ہے، وہ مغرب کے اس فلسفے سے مختلف ہے جس کی رو سے ان کے ہاں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں، ہر وہ کام جو مرد کر سکتا ہے، عورت بھی کر سکتی ہے اور اسے کرنا چاہیے۔ لیکن اسلام چوں کہ دین فطرت ہے، اس لیے اس کی تعلیمات میں فطرت اور اس کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور فطری اعتبار سے مرد اور عورت دونوں کے درمیان فرق واختلاف ہے۔ کیوں کہ اللہ نے دونوں کو الگ الگ مقصد کے لیے پیدا کیا ہے، اور دونوں کو ان کے مقصد تخلیق کے مطابق صلاحیتیں بھی الگ الگ دی ہیں۔ جیسے مرد عورت کو بار آور تو کر سکتا ہے لیکن خود بار آور (حاملہ) نہیں ہو سکتا۔ عورت بار آور (حاملہ) ہو سکتی ہے لیکن مرد کو بار آور نہیں کر سکتی۔ وعلی ہذا القیاس

دوسری بعض صلاحیتوں کا اختلاف ہے، جیسے جسمانی اعتبار سے عورت کا مرد کے مقابلے میں کمزور ہونا، عقلی ودماغی صلاحیتوں میں کم تر ہونا، عورت کا مرد کے مقابلے میں زیادہ جذباتی ہونا، وغیرہ۔

اسی طرح نظریاتی وتہذیبی اعتبار سے عورت کے بارے میں مغرب کا جو نقطۂ نظر ہے، وہ اسلام سے یکسر مختلف ہے۔ اسلام عورت کی عصمت کو خصوصی اہمیت دیتا ہے جب کہ مغرب میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ان دونوں اعتبارات سے اسلام نے عورت کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں اور اس کی عصمت وعظمت کے تحفظ کے لیے اس پر جو بعض پابندیاں عائد کی ہیں۔ اس کو دیکھتے ہوئے اسلام اور مغرب کے درمیان ایک عظیم فرق ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، ایک وسیع خلیج ہے جسے پاٹا نہیں جا سکتا اور مشرق ومغرب کی سی دوری ہے جسے کم نہیں کیا جا سکتا۔

چناں چہ اسلام نے جہاں بہ حیثیت انسان ہونے کے مرد اور عورت کو یکساں مقام عطا کیا ہے، وہاں دونوں کی ذہنی صلاحیتوں میں فرق اور دائرہ کار کے اختلاف کی وجہ سے دونوں کے درمیان بعض احکام میں فرق وامتیاز بھی کیا ہے اور بعض ذمے داریاں صرف مردوں پر عائد کی ہیں، عورتوں کو ان سے مستثنیٰ رکھا ہے۔ اور بعض چیزیں عورتوں کے لیے ضروری قرار دی ہیں، مردوں کو ان پابندیوں سے آزاد رکھا ہے۔ جیسے مثال کے طور پر

① ...... معاشی کفالت کا ذمے دار صرف مرد ہے، عورت نہیں۔ کیوں کہ اسلام نے عورت کا دائرہ کار جو متعین کیا ہے، وہ اس کے گھر کی چار دیواری ہے، وہ اس کے اندر رہ کر معاشی تگ ودو نہیں کر سکتی، علاوہ ازیں اس کی عصمت کا تحفظ بھی اسی طرح ممکن ہے کہ وہ نامحرم مردوں سے دور رہے۔

② ...... گھر کا سربراہ (قوام) مرد ہے، عورت نہیں۔ کیوں کہ قوامیت کی خصوصیات سے تو اللہ نے جس طرح مرد کو نوازا ہے، عورت اس سے محروم ہے۔

③ ...... عورت کو پردہ کرنے اور گھر میں ٹک کر رہنے کا حکم ہے۔

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾ [الاحزاب ۳۳: ۳۳]

''اپنے گھروں میں ٹک کر بیٹھی رہو اور پہلے زمانۂ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرتی پھرو۔''

④......یہی وجہ ہے کہ نماز باجماعت مرد پر تو فرض ہے، عورت پر نہیں۔ جمعہ صرف مرد پر فرض ہے عورت پر نہیں۔ نماز جنازہ میں مردوں کو تو شرکت کی تاکید ہے، عورتوں کے لیے نہیں۔ جہاد بھی مردوں پر فرض ہے، عورتوں پر نہیں۔ عورتوں کو ان کا اجر وثواب گھر بیٹھے ہی مل جائے گا۔ کیوں کہ ان تمام مواقع پر مردوں سے اختلاط ہوگا جس سے مقاصد شریعت مجروح ہونے کا امکان ہے۔

⑤......وراثت میں عورت کا حصہ، مرد کے حصے سے نصف ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ نان ونفقہ کا ذمہ دار صرف مرد ہے، عورت کا نہیں، کاروبار کرنے کے لیے بھی سرمایہ مرد کی ضرورت ہے، عورت کی ضرورت نہیں۔ نکاح کا عوض......مہر......بھی مرد کو دینا پڑتا ہے عورت کو نہیں۔

⑥......مرد کو حسب ضرورت واقتضاء ایک سے زیادہ (چار تک) بیویاں کرنے کا حق حاصل ہے (جس میں متعدد حکمتیں ہیں، جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں) عورت کو یہ اجازت نہیں کہ وہ بیک وقت دو یا تین یا چار مردوں کی بیوی بن کر رہے۔

⑦......طلاق دینے کا حق بھی صرف مرد کو حاصل ہے، عورت کو نہیں۔ البتہ اسے خلع کا حق حاصل ہے جو طلاق سے مختلف چیز ہے۔

⑧......عورت کی گواہی، مرد کی گواہی سے نصف ہے اور دو عورتیں مل کر ایک مرد کے برابر گواہ بنتی ہیں۔

⑨......اسی طرح ولایت نکاح کا مسئلہ ہے، اس میں بھی شریعت نے مرد کی ولایت کو ضروری قرار دیا ہے، کوئی عورت ولی کو نظر انداز کر کے، اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی۔

ان تمام امتیازی احکامات میں کارفرما علت کہیں تو عورت کی فطری کمزوری اور اس کی فطری وضع وہیئت ہے (جسے دنیا کی کوئی طاقت تبدیل کرنے پر قادر نہیں) اور کہیں وہ حکمتیں ہیں جن کا مقصد عورت کی عصمت کا تحفظ اور مردوں کے اختلاط سے اسے بچا کر رکھنا ہے۔

اسلام کے نزدیک یہ امتیازی قوانین، ناروا پابندیاں نہیں، جن سے عورت کی تذلیل واہانت مقصود ہو۔ بلکہ اس سے بھی اصل مقصد عورت کی حرمت وتقدس کی حفاظت، معاشرے کو قلب ونظر کے فساد سے بچانا اور خاندانی نظام کا استحکام ہے۔ یہ امتیازی قوانین ہی اسلام کا اصل امتیاز ہیں جن سے اسلامی معاشروں میں قلب ونظر کا وہ فساد عام نہیں ہے، جو مغربی معاشرے کا امتیاز ہے۔ مسلمانوں کا خاندانی نظام اس ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہیں ہوا، جس سے اس وقت پورا مغرب دوچار ہے اور مسلمان عورت اس ذلت سے محفوظ ہے جس میں مغرب کی عورت مبتلا ہے۔

اس تفصیل سے اصل مقصد اس پہلو کی وضاحت کرنا ہے کہ مذکورہ تعلیمات کی رو سے، جب عورت عام حالات میں گھر کی چار دیواری کے اندر رہنے کی پابند ہے، وہ تاجر وصنعت کار نہیں بن سکتی، کلرک اور بابو نہیں بن سکتی، جج اور سپاہی نہیں بن سکتی، کسی افسر کی سیکرٹری، کسی دکان میں ماڈل گرل اور ائیر ہوسٹس نہیں بن سکتی۔ تو ان حالات میں وہ از خود اپنے رفیق زندگی کا انتخاب کیونکر کر سکتی ہے؟ اور کیا اسلام کی ان ہدایات میں اس امر کی کوئی گنجائش ہے کہ مسلمان نوجوان بچی مرد کی ولایت سے آزاد ہے؟ اور وہ جب چاہے اور جس سے چاہے نکاح کر لے؟ اسلام کی ان تعلیمات کا عقلی تقاضا تو یہی ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ ایسا ہونا یا کرنا مذکورہ تعلیمات سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ ان تعلیمات کی رو سے مسلمان عورت کے لیے ضروری ہے کہ شادی سے پہلے اسے والدین کا تحفظ اور سہارا حاصل ہو، باپ نہ ہو تو بھائی، یا چچا اس کا سرپرست ہو اور شادی کے بعد خاوند اس کا قوام ونگران ہو، مطلقہ یا بیوہ ہونے کی صورت میں اسے پھر والدین یا سسرال کا تحفظ حاصل ہو۔

حنفی مسلک کی صحیح توجیہہ اور علمائے احناف کا طرزِ عمل:

ہم پہلے وضاحت کر آئے ہیں کہ زیر بحث مسئلہ قرآن وحدیث کے دلائل کی رو سے اتنا واضح ہے کہ صحابہ وتابعین، ائمہ ثلاثہ اور دیگر فقہاء ومحدثین سب اس مسئلے میں متفق ہیں کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح باطل ہے۔ صرف احناف کا مسلک اس انداز سے بیان کیا جاتا ہے کہ جس سے اس میں گنجائش نکلتی ہے، جس سے سیکولر ذہن رکھنے والے بعض ججوں نے فائدہ اٹھایا اور اپنے فیصلوں میں ایسے باطل نکاحوں کو جائز قرار دے دیا۔ بعض حنفی علماء بھی اس کی تائید میں اخباری بیانات دیتے رہتے ہیں۔ لیکن ہم نے فقہ حنفی میں بیان کردہ مسلک کا جائزہ لیا، تو ہمیں

محسوس ہوا کہ مغربیت سے متاثر ججوں کا فقہ حنفی سے استدلال بھی صحیح نہیں، اور ان حنفی علماء کا یہ رویہ بھی درست نہیں جو مطلقاً زیر بحث خفیہ نکاحوں کے جواز کا فتویٰ دے کر نوجوان نسل کی بڑھی ہوئی بے راہ روی کی تائید کررہے ہیں۔

فقہ حنفی میں بھی ولی کی اجازت اور رضامندی کو مستحب (پسندیدہ) قرار دیا گیا ہے۔ گویا اس کا استحباب وہاں بھی مسلم ہے۔ علاوہ ازیں صرف ایک صورت میں ولی کی اجازت کے بغیر کیے گئے نکاح کو صحیح قرار دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی بالغ لڑکی ایسے لڑکے سے نکاح کرلے جو اس کا کفو ہو (یعنی خاندانی لحاظ سے ہم رتبہ ہو) اور مہر بھی کم نہ ہو، بلکہ اس کے خاندان کی دوسری عورتوں کے برابر ہو۔ (دلائل شرعیہ کی رو سے یہ مسلک اگرچہ محل نظر ہے، تاہم فی الحال اس سے قطع نظر) اس صورت میں قابل غور بات یہ ہے کہ اس قسم کے نکاحوں کو والدین بالعموم قبول ہی کرلیتے ہیں اور بات زیادہ نہیں بڑھتی۔

لیکن دوسری صورت فقہ حنفی میں یہ بیان کی گئی ہے کہ بالغ لڑکی غیر کفو میں نکاح کرے یا مہر مثل سے کم پر نکاح کرلے تو اس میں چوں کہ اس کے خاندان والوں کی توہین وتذلیل (عار) ہے، اس لیے ایسا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر وہ اسے ناپسند کرے گا تو عدالت کے ذریعے اسے فسخ کراسکے گا، اگر خاموش رہے گا تو صحیح قرار پائے گا۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ ایسا نکاح سرے سے باطل ہوگا اور اسے عدالت کے ذریعے سے فسخ کرانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یہ روایت علامہ انور شاہ کاشمیری نے بھی فیض الباری میں نقل کی ہے:

"لَوْ نَكَحَتْ فِيْ غَيْرِ كَفُءٍ بِغَيْرِ اِذْنِ الْوَلِيِّ، بَطَلَ نِكَاحُهَا فِيْ رِوَايَةِ الْحَسَنِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ۔" [ج:٤، ص:٢٨٣]

''اگر عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر، غیر کفو میں نکاح کرلیا تو امام حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ بیان کیا ہے کہ ایسا نکاح باطل ہے۔''

اسی مسلک کو بعض علماء نے ((مُفْتٰى بِہٖ)) ''جس پر فتویٰ دیا جاتا ہے'' قرار دیا ہے۔ جیسے ''فقہ السنہ'' کے مصنف لکھتے ہیں:

"فَإِنْ زَوَّجَتْ نَفْسَهَا بِغَيْرِ كَفُءٍ وَبِغَيْرِ رِضَا وَلِيِّهَا الْعَاصِبِ، فَالْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَبِيْ يُوْسُفَ وَالْمُفْتٰى بِهٖ فِي الْمَذْهَبِ عَدَمُ صِحَّةِ زَوَاجِهَا، إِذْ لَيْسَ كُلُّ وَلِيٍّ يُحْسِنُ الْمُرَافَعَةَ وَلَا كُلُّ قَاضٍ يَعْدِلُ، فَأَفْتَوْا بِعَدَمِ صِحَّةِ الزَّوَاجِ سَدًّا لِبَابِ الْخُصُوْمَةِ۔" [فقه السنه: ٢/ ص:١١٤]

''اگر عورت نے اپنے ولی عاصب کی رضامندی کے بغیر از خود اپنی شادی غیر کفوء میں کرلی تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور مذہب حنفی کا مُفْتٰى بِہٖ مسلک یہ ہے کہ ایسی شادی صحیح نہیں ہے۔ (باطل ہے اور اسے فسخ نکاح کے لیے عدالت میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔) اس لیے کہ ہر ولی صحیح طریقے سے مرافعہ (عدالتی بحث کا اہتمام اور اس کے اخراجات کا تحمل) نہیں کرسکتا اور نہ ہر قاضی ہی عدل وانصاف کرسکتا ہے۔ چناں چہ انہوں نے جھگڑوں کا دروازہ بند کرنے کے لیے یہی فتویٰ دیا کہ ایسا نکاح ہی صحیح نہیں ہے۔''

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ہم رتبہ لوگوں سے کم تر میں شادی کرنے یا اپنے شایانِ شان طریقے سے شادی نہ کرنے کی صورت میں کیا گیا نکاح باطل ہے۔ دوسری بات یہ کہ عدالتی کھکھیڑ میں پڑنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ اور ان دونوں باتوں کا مآل بھی یہی ہے کہ لڑکی اور ولی دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ اگر ولی، لڑکی کی رضامندی کو نظر انداز کرے گا تو یہ بھی صحیح نہیں، کیوں کہ شریعت نے اس سے منع کیا ہے اور اگر لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرے گی تو وہ نکاح بھی صحیح نہیں ہوگا، بلکہ باطل قرار پائے گا۔

امام ابوحنیفہ کے بیان کردہ اس مسلک یا ((مُفْتٰى بِہٖ)) مذہب کو اپنایا جائے تو امام صاحب یا فقہ حنفی کا مسلک بھی دیگر ائمہ کے قریب تر ہوجاتا ہے اور ''فیض الباری'' میں علامہ انور شاہ کاشمیری نے اسی نقطہ نظر کو اپنانے کی تلقین کی ہے۔ کیوں کہ اس سے تمام دلائل میں تطبیق ہوجاتی ہے اور ان کے مابین کوئی تعارض نہیں رہتا جو بظاہر بعض لوگوں کو نظر آتا ہے۔ علامہ کاشمیری فرماتے ہیں:

" وَمَذْهَبُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ أَنَّ رِضَى الْمَوْلِيَّةِ مُقَدَّمٌ عِنْدَ تَعَارُضِ الرِّضَائَيْنِ مَعَ كَوْنِهَا مَأْمُوْرَةً بِتَحْصِيْلِ رِضَى الْوَلِيِّ، وَكَذَا الْمَوْلِيُّ مَأْمُوْرٌ بِتَحْصِيْلِ رِضَائِهَا فَلَمْ يَسْتَبِدَّ بِهِ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا، فَإِنَّهُ اَمْرٌ خَطِيْرٌ لَا بُدَّ فِيْهِ مِنْ اِجْتِمَاعِ الرِّضَائَيْنِ ـ"

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ دونوں کی پسند میں اختلاف کی صورت میں عورت کی پسند مقدم ہوگی، تاہم عورت بھی اس امر کی پابند ہے کہ وہ ولی کی رضامندی حاصل کرے، اسی طرح ولی کے لیے بھی عورت کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے، ان دونوں میں سے کسی کو بھی صرف اپنی ہی رائے منوانے پر اصرار کرنے کا حق نہیں ہے، اس لیے کہ یہ بہت اہم معاملہ ہے، جس میں دونوں کی رضامندی کا اجتماع ضروری ہے۔''

اس کے بعد انہوں نے چار مثالیں دی ہیں، جن میں ظاہری تعارض محسوس ہوتا ہے لیکن حقیقت میں تعارض نہیں، بلکہ دونوں کے مجموعے سے احکام اخذ کیے جائیں گے۔ پھر مسئلہ زیر بحث کے متعلق فرماتے ہیں کہ

''نکاح کے معاملے میں بھی روایات حدیث دو طرح سے آئی ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نبی ﷺ نے عورتوں سے خطاب فرمایا تو ان کو بتلایا کہ ان پر ان کے اولیاء کا حق ہے (اور وہ ان کے ماتحت ہیں) یہاں تک کہ یہ اندیشہ محسوس ہونے لگا کہ ان کا کوئی حق ان کے اپنے نفسوں میں نہیں ہے۔ جیسے نبی ﷺ کا فرمان ہے:

''جس عورت نے بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا، تو اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔''

باطل باطل کی تکرار سے مقصود مبالغے کا اظہار اور ولی کی اجازت کی مطلوبیت کی تاکید ہے۔ اس سے بعینہ وہی غرض ہے جس کی وضاحت ہم نے کی ہے......اور جب آپ اولیاء کی طرف متوجہ ہوئے تو ان سے فرمایا کہ ''بے شوہر والی عورت اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے۔'' گویا اولیاء کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اس قسم کی جگہوں پر حدیث میں اجمال ہوتا ہے، اور اسی میں لوگوں کا فائدہ زیادہ ہوتا ہے اور عمل کی طرف راغب کرنے میں زیادہ موثر اور شاید اب تم سمجھ گئے ہوگے کہ شارع کا مقصود دونوں قسم کی احادیث کے مجموعے میں ہوتا ہے، ہر ایک قسم کی حدیث میں نصف نصف بات بیان کی گئی ہوتی ہے۔ پس جس شخص نے ان دونوں حدیثوں میں سے کسی ایک حدیث سے تمسک کیا تو اس نے گویا شریعت کی مراد کا نصف حصہ لے لیا (اور نصف چھوڑ دیا) اور دونوں فریقوں کے کلام سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ شافعیہ نے حدیث ((لا نکاح الا بولی)) کو اپنی دلیل ٹھہرایا اور حدیث ((الایم احق ......)) کی تاویل کی، گویا یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔

اسی طرح احناف کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث ((الایم احق)) [حدیث] ان کی دلیل ہے اور حدیث ((لا نکاح الا بولی)) ان کے خلاف ہے۔ پس وہ (تاویل کے ذریعے سے) اس سے بچاؤ کی کوشش کرتے ہیں۔

حالاں کہ معاملہ، جس طرح کہ عرض کیا گیا، یہ ہے کہ شارع کی مراد دونوں حدیثوں کے مجموعے میں ہے۔ (یعنی دونوں کا ایسا مفہوم لینا ہے کہ دونوں پر عمل ہو سکے) اور شارع نے تو اپنی مراد کھول کر بیان کر دی ہے......اس مراد پر اس کے بغیر عمل ممکن نہیں کہ اولیاء کو تاکید کی جائے کہ وہ عورتوں کی رضامندی حاصل کریں اور عورتوں کو حکم دیا جائے کہ وہ اپنے معاملے میں اولیاء کو شریک کریں۔ پس عورتیں اولیاء کے لیے آزمائش بنیں اور نہ مرد عورتوں پر تنگی کریں۔ [فیض الباری: ۲/۸۲-۲۸۷]

علمائے احناف کے لیے صحیح طرزِ عمل:

علمائے احناف اس توجیہہ کو تسلیم کر لیں جو امام حسن بن زیاد کی روایت کی بنیاد پر ہم نے کی ہے اور جس کی تائید ایک اور بڑے حنفی عالم ومحدث علامہ کاشمیری نے بھی کی ہے تو زیر بحث مسئلہ بہت حد تک اتفاقی قرار پا جاتا ہے اور وہ چور دروازہ بند ہو جاتا ہے جس سے بعض ججوں کو اسلام کے خاندانی حصار میں نقب لگانے اور مغرب کی بے راہ روی کو قانونی تحفظ دینے کا حوصلہ ہوا ہے۔ علمائے احناف کو سوچنا چاہیے کہ یہ دور فقہی جمود کا نہیں، فقہی توسع کا ہے اور مخصوص نقطۂ نظر اختیار کرنے کا ہے، تا کہ اسلام کا دفاع زیادہ بہتر طریقے سے اور اسلامی تہذیب کی

برتری کا اثبات مؤثر انداز میں کیا جا سکے۔

روشنی کی ایک کرن:

ہمیں خوشی ہے کہ علمائے احناف کے چند اہل علم وقلم کو اس بات کا احساس ہے جس کا ذکر ہم نے سطور بالا میں کیا ہے۔ چناں چہ انہوں نے مسئلہ زیر بحث میں فقہی جمود پر اصرار کرنے کی بجائے، حنفی مذہب کو جمہور فقہاء کے موقف کے قریب کرنے کا رویہ اختیار کیا ہے تا کہ مغربیت کا بھر پور مقابلہ کیا جا سکے۔ ان کی ظاہری تعداد اگر چہ ابھی تھوڑی ہے، لیکن چوں کہ یہ رویہ دلائل شرعیہ کی رو سے زیادہ قوی بھی ہے اور بحالات موجودہ اس کی اہمیت وافادیت، بلکہ ناگزیریت مسلم بھی۔ اس لیے ہمیں امید ہے کہ اس موقف کو علمائے احناف میں ضرور پذیرائی ملے گی۔

مذکورہ علمائے احناف میں مولانا زاہد الراشدی سرفہرست ہیں جو خود عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑے حنفی عالم اور محدث مولانا محمد سرفراز صفدر (گکھڑ منڈی) کے صاحبزادے ہیں۔ ان کو ہر سال دیار مغرب بالخصوص برطانیہ کا دورہ کرنے اور وہاں کے حالات کا نہایت قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ان ملکوں میں نوجوان اولاد کو والدین کی گرفت سے آزادی کا جو قانونی تحفظ حاصل ہے، اس نے خاندانی نظام کو جس طرح برباد اور اخلاقی انارکی کو عام کیا ہے، وہ اس کے عینی شاہد ہیں۔

اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں یہ تاریخ نہ دہرائی جائے اور ہمارا معاشرہ اس تباہی وبربادی سے محفوظ رہے جس سے اس وقت مغربی معاشرہ دوچار ہے۔ چناں چہ انہوں نے لاہور ہائی کورٹ میں جب لومیرج کا ایک کیس زیر سماعت تھا، عدالت کے فاضل ججوں کو مسئلے کی نزاکت واہمیت سے آگاہ کرنے کے لیے ایک مکتوب ارسال کیا تھا۔ یہ مکتوب فی الواقع چشم کشا کی حیثیت رکھتا ہے اور اس لائق ہے کہ سب علمائے احناف بھی اس پر غور کریں اور فاضل عدالتوں کے جج بھی اپنے فیصلوں میں ان نکتوں کو نظر انداز نہ کریں۔ اس مکتوب...... میں تمام فقہی مذاہب بیان کرنے کے بعد جو کچھ کہا گیا ہے، وہ حسب ذیل ہے:

''اس تفصیل کی روشنی میں میں دیکھا جائے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کا موقف سب سے زیادہ قرین انصاف اور متوازن معلوم ہوتا ہے۔

کیوں کہ اس میں لڑکی اور اس کے ولی دونوں کی رائے کا لحاظ رکھا گیا ہے اور اسی بنیاد پر علامہ سید محمد انور کشمیری رحمہ اللہ نے امام اعظم کا مذہب یہ بیان کیا ہے کہ نکاح میں لڑکی اور اس کے ولی دونوں کی رضا کا اکٹھا ہونا ضروری ہے اور یہ بات انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ اس لیے کہ نکاح صرف دو افراد کے باہمی تعلق کا نام نہیں بلکہ دو خاندانوں کے باہمی تعلقات، معاشرہ میں ان کی عزت ووقار، اولاد کی کفالت وتربیت اور ایک نئے تشکیل پانے والے خاندان کے مستقبل کے معاملات اس نکاح سے وابستہ ہیں اور اصول یہ ہے کہ کسی فیصلے سے جتنے لوگ بھی متاثر ہوتے ہوں فیصلہ کرتے وقت ان سب کے مفادات کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

ویسٹرن سولائزیشن نے اسی مقام پر دھوکا کھایا ہے کہ مغربی دانش وروں نے فرد کی آزادی اور عورت کے حقوق کے پرفریب عنوان کے ساتھ نکاح کو دو افراد کا معاملہ قرار دے کر اس کے باقی لوازمات ونتائج کو نظر انداز کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مغربی معاشرہ خاندانی زندگی کے نظام اور رشتوں کے تقدس سے محروم ہو چکا ہے اور مغرب کا فیملی سسٹم انارکی کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے جس کا ذکر چوٹی کے مغربی دانش وروں کی زبانوں پر بھی انتہائی حسرت کے انداز میں ہونے لگا ہے۔

اس سلسلہ میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی خاتون اوّل مسز ہیلری کلنٹن کے دورۂ پاکستان کے موقع پر شائع ہونے والی اس خبر کا حوالہ دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ ''امریکی خاتون اوّل مسز ہیلری کلنٹن اسلام آباد فار گرلز کالج کی اساتذہ اور طالبات کے ساتھ گھل مل گئیں اور ان سے ایک گھنٹے سے زیادہ بے تکلفانہ گفتگو کی، ہیلری کلنٹن نے طالبات سے ان کے مسائل دریافت کیے۔ طالبات نے دوستانہ انداز میں کلنٹن کی اہلیہ کو سب مسائل بتائے۔ فورتھ ائیر کی طالبہ نائلہ خالد نے امریکی خاتون اوّل سے پوچھا کہ امریکی طالبات کا بنیادی مسئلہ کیا ہے؟ اس پر امریکا کی خاتون اوّل نے کھل کر گفتگو شروع کی۔

انہوں نے کہا کہ پاکستان کی طالبات کا مسئلہ تعلیم کی مناسب سہولیات کا فقدان ہے۔ تعلیمی اداروں میں فنڈز کی کمی کا مسئلہ ہے مگر

امریکہ میں ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہاں بغیر شادی کیے طالبات اورلڑکیاں حاملہ بن جاتی ہیں۔اس طرح بے چاری لڑکی ساری عمر بچے کو پالنے کی ذمہ داری نبھاتی ہے۔

ایک دوسری طالبہ وجیہہ جاوید نے کہااس مسئلے کا حل کیا ہے؟

اس پر ہیلری کلنٹن نے کہا اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ نوجوان لڑکے لڑکیوں کوخواہ وہ عیسائی ہوں یا مسلمان اپنے مذہب اور معاشرتی اقدار سے بغاوت نہیں کرنی چاہیے۔ مذہبی وسماجی روایات اور اصولوں کے مطابق شادی کے بندھن میں بندھنا چاہیے، اپنی اور اپنے والدین کی عزت وآبرواورسکون کوغارت نہیں کرنا چاہیے۔مسز ہیلری کلنٹن نے کہا کہ وہ اسلام اورعیسائیت کی شادی کے خلاف نہیں ہیں۔

انہوں نے کہا کہ پاکستان میں مذہبی روایات کا احترام کرتے ہوئے شادی ہوتی ہےاس لیے یہاں لڑکیوں کے مسائل کم ہیں۔

[روزنامہ ''جنگ'' لاہور ۲۸ مارچ ۱۹۹۵ء]

اس پس منظر میں آنجناب سے میری استدعا ہے کہ مسلمانوں کے خاندانی معاملات کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت اسلامی احکام وقوانین، معاشرتی روایات اور عدالتی نظائر کے ساتھ ساتھ مغربی معاشرہ میں ''فیملی سسٹم'' کی تباہی کے اسباب کو بھی سامنے رکھا جائے۔ کیوں کہ یہ کوئی دانش مندی کی بات نہیں ہوگی کہ مغرب جس دلدل سے واپسی کے راستے تلاش کررہا ہے ہم آزادی اورحقوق کے نام نہاد مغربی فلسفہ کی پیروی کے شوق میں قوم کو اسی دلدل کی طرف دھکیلنا شروع کردیں۔ امید ہے کہ آپ ان معروضات پرضرورتوجہ فرمائیں گے۔''

اس خط کی تمام باتیں ہی نہایت اہم اورسب کے لیے قابل غور ہیں۔لیکن سب سے زیادہ اہم بات اس میں علامہ انورشاہ کاشمیری کے حوالے سے حنفی مذہب کی یہ وضاحت ہے کہ اس کی رو سے نکاح میں لڑکی اوراس کے ولی دونوں کی رضا کا اکٹھا ہونا ضروری ہےاور ہمارے خیال میں یہی موقف تمام ائمہ اسلام کا ہے چاہے وہ مالکی ہوں یا حنبلی، شافعی ہوں یا اہل حدیث۔ کوئی بھی لڑکی پر جبر کرنے اور اس کی رضامندی کے بغیراس کا نکاح کرنے کا قائل نہیں۔سب کہتے ہیں کہ جس طرح لڑکی کے لیے یہ جائزنہیں کہ ولی کی اجازت اور رضامندی کے بغیرازخود نکاح کرلے، اسی طرح ولی کوبھی یہ حق نہیں کہ وہ لڑکی کی رضامندی کے بغیر زبردستی اس کا نکاح کردے۔

جب واقعہ یہ ہے کہ مسئلہ ولایت نکاح میں حنفی مذہب اوردوسرے فقہی مذاہب کے درمیان مطابقت وہم آہنگی کی شکل موجود ہے تو پھر حنفی مذہب کی ایسی تعبیر پر کیوں اصرار ہے جس میں اختلاف نمایاں ہواور پھر اس کی بنیاد پر نوجوان لڑکی کو یہ حق دینے کی وکالت کی جائے کہ وہ ازخود نکاح کرسکتی ہے، اس کے لیے ولی کی اجازت اور رضامندی ضروری نہیں۔اور یوں بالواسطہ اس مغرب زدگی کی تائید کی جائے جس کا مقصد مسلمان عورت کو ہرقسم کی قیداور پابندی سے آزاد کرنا ہے تاکہ وہ بھی مغربی عورت کی طرح شرم وحیاء کے زیور سے محروم ہوکر، بے حیاباش وہرچہ خواہی کن، کے راستے پرگامزن ہوجائے۔جیسا کہ پاکستان میں نوجوان لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد یہ راستہ اپنا چکی ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ بے راہ روی اور گمراہی کا یہ راستہ، جو بدقسمتی سے کھل چکا ہے، اسے بند ہونا چاہیے یا اسے چوپٹ کھول دینا چاہیے؟ اگراسے بندکرکے مغربی تہذیب کی روک تھام ضروری ہے تو اس کے لیے فقہی توسع اختیارکرنے کی ضرورت ہے یا تمام چیزوں سے آنکھیں بندکرکے اپنی مخصوص رائے اورمخصوص تعبیر پراصرارکرنے کی؟

اس کا جواب واضح ہے۔اسی لیے ہم سمجھتے ہیں کہ مولانا راشدی صاحب نے مذکورہ خط میں بیان کردہ فقہی توسع کو اختیارکرکے مسئلہ ولایت نکاح میں اختلاف کی بجائے،زیادہ سے زیادہ اتفاق پیدا کرنے کی اورمسلمان عورت کومغرب زدگی اورآوارگی سے بچانے کی سعی کی ہے، انہوں نے یقیناً عقل ودانش کے صحیح استعمال اور اسلامی غیرت وحمیت کا ثبوت دیا ہے۔یہی عقل ودانش اورفقہی وحزبی تعصب کی بجائے اسلامی عصبیت وحمیت، وقت کا تقاضا بھی ہے، اور آج کی شدید ضرورت بھی۔کاش ہمارے علماء اورعدالتوں کے فاضل جج اس تقاضے اورضرورت کا احساس کرسکیں۔ وماعلینا الا البلاغ المبین



تحقیق وتنقید

نظریہ نور من نور اللہ حقیقت کے آئینہ میں ❶

مولانا خاور رشید بٹ

﴿ وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ [الزخرف ۴۳: ۱۵]

''اوران (کافروں) نے اللہ کے بندوں کو اس کا جز بنایا ہے بے شک انسان بڑا کھلم کھلا ناشکرا ہے۔''

انسان کا کھلا اور ابدی دشمن اپنے وعدہ کے مطابق ہر طرح اور ہر طریقے سے انسانوں کو راہِ راست سے ہٹانے کی کوشش کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔

کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو اس کے چکر میں پھنس کر ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور کتنے ہی ایسے ہیں جو ایمان جیسی نعمت حاصل ہی نہ کر سکے۔

ابلیس کی انسانیت پر سب سے کاری ضرب ذات باری تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا ہے۔ چناں چہ بے شمار انسان اس کے بچھائے ہوئے جال میں آ کر ربّ کائنات کی پہچان اور وحدانیت سے کوسوں دور چلے گئے۔

اس جال کی کئی اقسام ہیں ان میں ایک قسم اللہ تعالیٰ کو اجزاء میں تقسیم ماننا ہے۔

یہود ونصاریٰ اور مشرکین مکہ کا اس کے متعلق نظریہ بالکل واضح ہے۔

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ ﴾ [التوبة ۹: ۳۰]

''یہودیوں نے کہا کہ عزیر (علیہ السلام) اللہ کا بیٹا ہے۔''

﴿ وَقَالَتِ النَّصَارٰى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ﴾ [التوبة ۹: ۳۰]

''اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح (علیہ السلام) اللہ کا بیٹا ہے۔''

﴿ وَ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَ لَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴾ [النحل ۱۶: ۵۷]

''اور وہ (مشرکین مکہ) اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں (فرشتوں کو) وہ پاک ہے اور اپنے لیے جو وہ چاہتے ہیں۔''

عیسائیوں نے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہی نہیں بلکہ روح القدس اور بعض نے سیدہ مریم علیہا السلام کو بھی اللہ کا حصہ اور جز قرار دیا۔ مسئلہ تثلیث اس کا شاہد عدل ہے۔

اسی طرح ہندوؤں کا عقیدہ بھی واضح ہے کہ انہوں نے بھی الٰہ واحد کو بے شمار خداؤں اور اجزاء میں تقسیم کر دیا ہے۔

سورۃ الزخرف کے درج بالا آیت گو کہ مشرکین مکہ کے متعلق ہے لیکن عمومیت کے تحت اس طرح کے تمام نظریات آ جاتے ہیں۔

ابلیس کے اس بچھائے ہوئے جال میں امت محمدیہ کے کچھ افراد بھی پھنس گئے اور انہوں نے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کو اجزا میں تقسیم کر دیا، اس نظریہ کو عقیدہ نور من نور اللہ کہتے ہیں۔ یعنی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور میں سے نور ہیں۔ مثلاً:

اصلاحی جماعت وعالمی تنظیم العارفین کا ماہنامہ رسالہ ''مرآۃ العارفین انٹرنیشنل'' بابت ماہ اپریل ۲۰۰۷ء بمطابق ربیع الاوّل ۱۴۲۸ھ جس کے چیف ایڈیٹر صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب ہیں اور ایڈیٹر معروف ناول نگار وتجزیہ نگار جناب طارق اسماعیل ساگر صاحب ہیں۔ اس کے صفحہ ۲ پر چار فرامین لکھے ہوئے ہیں۔

پہلا فرمان باری تعالیٰ دوسرا فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیسرا فرمان سلطان باہو صاحب کا اور چوتھا فرمان اس تنظیم کے ''سرپرست اعلیٰ جناب محمد علی سروری قادری صاحب کا ہے جنہیں سلطان الفقر امام الوقت حضرت سخی سلطان کا لقب دیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی خداوندی کو ظاہر کرنا چاہا تو اپنی ذات کے نور سے ایک نور کو جدا فرمایا اور جب اپنی محبت ومعرفت وجمالیت کے آئینے میں اس نور کو دیکھا تو خود ہی اس کے اشتیاق میں مبتلا ہو گیا اور اسے نور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خطبہ دیا۔ اللہ نے نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دو لاکھ تہتر ہزار

سال اپنے مدنظر رکھا اس کے بعد حق سبحانہ وتعالیٰ نے لطف وکرم سے فرمایا: اے نور محمد (ﷺ) روح محمد (ﷺ) میں ڈھل جا۔ اس حکم پر نور محمد ﷺ سے روح محمد ﷺ پیدا ہوئی۔ بالفاظہ

غور فرمائیں کس قدر دیدہ دلیری سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کو اجزا میں تقسیم کیا جارہا ہے اور محمد کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا حصہ قرار دیا جارہا ہے۔ اسی طرح اس عقیدہ کے حاملین حضرات کے معروف مناظر جناب مولانا عمر اچھروی صاحب اپنی کتاب مقیاس نور کے صفحہ ۷۳ پر لکھتے ہیں:

ہم مصطفیٰ ﷺ کو خدا کا نور مانتے ہیں۔ اسی صفحہ پر اپنے زعم میں دلیل پیش کر کے کہتے ہیں: ہمارا اہل سنت وجماعت کا عقیدہ صحیح ثابت ہوا کہ مصطفیٰ ﷺ خدا کے نور ہیں۔

اپنے نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے اسی کتاب پر لکھتے ہیں کہ مصطفیٰ ﷺ کی حقیقت بشری نہ تھی بلکہ حقیقت نوری تھی اور نور محض کو جمعیت انسانی عطا فرما کر والدہ کے شکم پاک سے پاک جمعیت انسانی کے سمیت نور کا ظہور فرمایا اور آپ کا لباس انسانی ہماری خاطر تھا۔

[مقیاس نور، ص:۲۴، ۲۵، ط: مکتبہ سلطانیہ لاہور]

یہ لوگ اپنے نظریے کو ثابت کرنے کے لیے اتنے گر گئے کہ سید البشر امام الانبیاء محمد کریم ﷺ کی توہین کرنے سے بھی نہیں چوکے، معروف مفتی مولانا احمد یار نعیمی گجراتی صاحب اپنی کتاب جاء الحق میں رسولِ اکرم ﷺ کی بشریت پر گفتگو کرتے ہوئے آپ ﷺ کو شکاری کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے کہ جیسے شکاری جانوروں کی سی آواز نکال کر شکار کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ تھے تو نور لیکن بشری لبادہ صرف انسانوں کے لیے اوڑھایا گیا تھا۔ [ملخص، ص:۱۸۳، ط: نعیمی کتب خانہ گجرات]

اسی عقیدے کے پیش نظر اس طائفہ کے امام مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے قرآنِ مجید کی نص قطعی کہ جس میں رسولِ اکرم ﷺ کو بشر کہا گیا ہے تحریف کرتے ہوئے ترجمہ کیا ہے: تو فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔ [الکہف: ۱۸/۱۱۰، کنز الایمان، ص: ۵۴۸، ط: ضیاء القرآن لاہور]

حالاں کہ قرآنی الفاظ ہیں:

﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾

یہاں ظاہر صورت کے ترجمہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی ایک لفظ بھی استعمال نہیں کیا۔ (مزید تفصیل آگے آئے گی، ان شاء اللہ)

اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس طرح یہ لوگ حضور اکرم ﷺ کو انسانیت سے خارج کرنے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ نظریہ کہاں سے لیا گیا۔

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ہمارے شیخ اور استاد محترم جناب محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دراصل یہ عقیدہ تو عیسائیوں کا تھا جو جناب مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں پھر ان سے یہ عقیدہ شیعہ حضرات نے چرا کر اپنے ائمہ پر چسپاں کر دیا کہ ائمہ اہل بیت کی پیدائش نور سے ہوئی ہے۔

[الاصول من الکافی، ج:۱، ص:۳۸۹]

تصوف کی بنیاد شیعیت پر ہے اور انہی حضرات نے تصوف کے ذریعے اس عقیدہ کو اہل سنت میں داخل کیا ہے جس کی وجہ سے یہ باطل عقیدہ صوفیہ حضرات کے ذریعے عام مسلمانوں میں پھیل گیا ہے۔

[جعلی جزء کی کہانی اور علمائے ربانی، ص:۳۳، ۳۴]

عیسائیوں کا نظریہ جاننے کے لیے اصل کتابیں دیکھیں گئیں تو واقعی یہی نظریہ سامنے آیا کہ مسیح علیہ السلام حقیقت میں انسان وبشر نہیں تھے بلکہ انہوں نے انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے اور جنس انسانی پر رحم کرتے ہوئے انسانی روپ دھارا۔ حقیقت میں وہ ابن اللہ یا بالفاظ دیگر خدا ہی تھے۔

ایک عیسائی کو اکابر دین کا لقب دیا گیا جس کا نام اثناسیس تھا اپنی کتاب ''کلمۃ اللہ کا تجسم'' میں لکھتا ہے۔ پس وہ ہم کو جو اس کے مخلوق اور اس کے باپ کی صنعت تھے ہلاکت سے بچانے کے لیے مجسم ہوا بلکہ عین بنی آدم کا سا جسم اختیار کیا۔ [ص:۲۵، ۲۶، مترجم، ط: مینار کتب لاہور]

بائبل میں لکھا ہے: خدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کر لیا۔ [کرنتھیوں نمبر۲: ۵/۱۹]

دوسری جگہ لکھا ہے: کلام خدا تھا......اور کلام مجسم ہوا۔

[یوحنا: ۱/۱ اور ۱/۱۴]

ایک اور مقام پر لکھا ہے: مسیح یسوع اگر چہ خدا کی صورت پر تھا۔ انسانوں کے مشابہ ہو گیا۔[فلپیوں:۲/۵۔۸]

غور فرمائیں کہ کس طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو انسانیت سے خارج کیا جا رہا ہے اور انہیں الوہی صفات کا حامل قرار دیا جا رہا ہے۔

اس نظریے کا اثر یہ پڑا کہ کھلے بندوں کہہ اٹھے

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

[اخبار الفقیہ امرتسر بابت ماہ جنوری ۱۹۲۱ء بحوالہ رسالت و بشریت، مصنفہ میر ابراہیم سیالکوٹی، ص:۱۶]

یہ نظریہ ایسے ہی نہیں امت محمدیہ میں داخل ہو گیا بلکہ اس کے متعلق نبی کریم ﷺ کی پیشین گوئی پہلے سے ہی موجود تھی فرمایا: ضرور تم پہلے لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے جیسے بالشت برابر ہوتی ہے۔ بالشت کے اور بازو برابر ہوتا ہے دوسرے بازو کے۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گو کے سوراخ میں داخل ہوا ہو گا تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے۔

صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ پہلے لوگوں سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اور کون مراد ہے؟ [صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ باب قول النبی لتتبعن سنن من کان قبلکم، رقم:۶۷۷۵]

یہ دلائل جب ان کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں تو پکار اٹھتے ہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺ کو نور سے پیدا شدہ مانتے ہیں نا کہ ذات الٰہی کا حصہ۔

اس قول میں کتنی صداقت ہے گزشتہ حوالوں سے واضح ہو چکا ہے بہر حال اگر نور سے پیدا شدہ مانتے ہیں تو صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسی مخلوق کو فرشتہ کہتے ہیں نا کہ بشر۔

سیدہ عائشہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

خلقت الملائكة من نور وخلق الجان من مارج من نار وخلق آدم مما وصف لكم ۔ [صحيح مسلم، كتاب الزهد باب في احاديث متفرقه رقم: ٥٣١٤]

''فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے اور جنوں کو شعلہ مارتی آگ سے اور آدم کو اس چیز سے پیدا کیا گیا جس کے متعلق تمہیں بیان کر دیا گیا (یعنی مٹی)۔''

اور قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو حکم ہے کہ آپ فرشتہ ہونے کی نفی کریں۔ چناں چہ آپ نے ایسا ہی کیا:

﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِندِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ﴾ [الانعام ٦: ٥٠]

''فرما دیں کہ میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔''

ثابت ہوا آنحضرت ﷺ کی پیدائش نور سے نہیں ہوئی ورنہ قرآنِ مجید آپ کو ﴿ بشر مثلکم ﴾ کہہ کبھی نہ پکارتا۔

بالفاظ دیگر قرآنِ مجید اور صحیح احادیث سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ نور سے پیدا ہونے والی مخلوق وقتی طور پر بشریت کا لبادہ تو اوڑھ سکتی ہے لیکن ایک تو اس کے لیے تمثل (باب تفعل) کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس میں تکلف اور تصنع پایا جاتا ہے۔ دوسرا وہ بشری ضروریات سے مبرا ہوتے ہیں۔ تیسرا بشری لبادہ اوڑھنے کے باوجود ان کا حسب و نسب، رشتہ داری و بیوی، اولاد نہیں ہوتے، اور نہ ہی ان میں سے کسی کی قبر زمین پر ہے اور نہ ہی اسے نبی کا درجہ دیا گیا۔ اور یہ سارے خاصے اللہ تعالیٰ نے حقیقی بشر کے بیان کیے ہیں۔

ہر ایک کی دلیل ملاحظہ فرمائیں:

(اوّل): لفظ تمثل: سیدنا جبریل علیہ السلام جب حضرت مریم علیہا السلام کے پاس انہیں عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری دینے گئے تو الفاظ ہیں:

﴿ فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ﴾ [مریم ١٩: ١٧]

''ہم نے اس (مریم) کی طرف اپنا خاص فرشتہ بھیجا تو اس نے اس کے لیے ایک پورے انسان کی شکل اختیار کی۔''

مکمل قرآنِ مجید اور پورے ذخیرہ احادیث میں کہیں بھی رسولِ اکرم ﷺ کے لیے لفظ تمثل استعمال نہیں کیا گیا۔ ثابت ہوا آپ ﷺ کا لبادہ بشری نہیں بلکہ آپ کی حقیقت بھی بشری ہے۔

(ثانیاً): بشری ضروریات سے مبرا ہونا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے جب انسانی شکل میں آئے تا کہ آپ کو بچے کی خوشخبری سنائیں

تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام سلام دعا کے فوراً بعد بھنا ہوا بچھڑا ان کی خدمت میں لائے لیکن انہوں نے نہ کھایا۔[دیکھیں سورۃ الذاریات:۵۱/۴۴۔۴۹]

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا بھی کھاتے، پانی پیتے اور دیگر بشری ضروریات پورا کیا کرتے تھے۔

ثابت ہوا آپ کا لبادہ بھی بشری تھا اور حقیقت بھی بشری تھی۔اس بات کی تردید کے لیے یہ حضرات ہاروت اور ماروت کے متعلق جو کہ دو فرشتے تھے اور لوگوں کی آزمائش کے لیے ان کو بھیجا گیا تھا، بتاتے ہیں کہ انہوں نے شراب پی، بدکاری کی اور قتل بھی کیا تھا۔ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے انسانی صورت میں آکر کھا پی بھی سکتے ہیں۔

جواب: اس طرح کی باتوں کے متعلق یاد رکھیں یہ سب تفسیری اقوال ہیں۔ان میں کوئی بات بھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔لہٰذا قرآن کے مقابلہ میں ان کی پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں۔

(ثالثاً): نبوت نہ ملنا، رشتہ داری وغیرہ کا نہ ہونا: نور سے پیدا ہونے والی مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ نے لفظ رسول تو استعمال کیا ہے مگر لفظ نبی صرف اور صرف بشر کا خاصہ قرار دیا۔فرمایا:

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ﴾ [آلِ عمران ٣: ٧٩]

”کسی بشر کا حق نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ اور لیکن رب والے بنو۔“

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ [الحج ٢٢: ٧٥]

”اللہ فرشتوں سے پیغام پہنچانے والے جانتا ہے اور لوگوں سے بھی بے شک اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔“

معلوم ہوا لفظ رسول نوری مخلوق اور انسان ہر دو کے لیے ہے مگر نبوت کے لیے صرف اور صرف بشر اور انسان کو چنا گیا ہے۔

ثابت ہوا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نور سے پیدا شدہ ہوتے تو آپ کے لیے محض لفظ رسول ہی استعمال ہوتا جب کہ ایسا نہیں بلکہ آپ کو رسول اور نبی ہر دو صفات سے متصف قرار دیا گیا ہے۔

یہاں کوئی کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نور سے پیدا ہونے کی وجہ سے اور نبی بشری لبادہ اوڑھنے کی وجہ سے کہا گیا ہے تو اس کا جواب یوں ہوگا کہ دوسری آیت (سورۃ الحج) میں اللہ تعالیٰ نے لفظ رسول دو مخلوقوں کے لیے بولا ہے۔ایک فرشتے (نور سے پیدا شدہ) دوئم انسان اور قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتہ ہونے کی نفی کی ہے۔جیسا کہ سورۃ الانعام آیت: ۵۰، میں ہے اور باقی ایک ہی مخلوق (انسان) رہ جاتی ہے۔

ثابت ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اور نبی بشری حقیقت کی بناء پر کہا گیا ہے۔اسی طرح حسب ونسب اور رشتہ داری بشر کا ہی خاصہ ہے نا کہ نور سے پیدا شدہ مخلوق کا۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا﴾ [الفرقان ٢٥: ٥٤]

”اور (اللہ) وہی ذات ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا پھر اسے (صاحب) خاندان اور سسرال بنایا۔“

یہ دونوں سلسلے اللہ تعالیٰ نے بشروں کے لیے بیان فرمائے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حسب ونسب، خاندان اور سسرال بھی تھا۔نتیجہ واضح ہے کہ آپ جنس بشر سے ہیں۔

ایک اور طریق سے بات سمجھیں۔عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جب عیسائیوں سے بحث ومباحثہ ہوتا ہے تو سب مسلمان بشمول اس طائفہ کے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں کہ وہ انسان تھے۔ابن اللہ یا الوہی صفات کے حامل نہیں تھے اور ایک بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ بائبل میں انہیں داؤد کا بیٹا، آدم کا بیٹا بلکہ باقاعدہ ان کا نسب نامہ لکھا ہوا ہے اور یہ چیزیں انسانوں کے لیے ہیں نہ کہ ابن اللہ کے لیے اور الٰہ کے لیے۔

اور جب یہی دلیل ہم پیش کرتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابراہیم علیہ السلام کا بیٹا، آدم علیہ السلام کا بیٹا، عبداللہ کا بیٹا، کہا گیا ہے بلکہ باقاعدہ آپ کا نسب نامہ موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ جنس بشر سے ہیں تو پھر ادھر اُدھر دیکھنا شروع کردیتے ہیں۔ [جاری ہے]

گوشۂ خواتین

بیویوں کے باہمی تعلقات ❶

امّ عبد منیب

تعدادِازدواج کا پس منظر:

جب اسلام ظہور میں آیا تو اس وقت دنیا کے کسی بھی مذہب اور معاشرے میں عورتوں کی قدر و قیمت، نکاح کی حقیقی اور پائیدار صورت، عفت وعصمت کے تحفظ کی ضمانت نہیں تھی۔ ہندو عورت یا لڑکی کی جس عمر میں، جس شخص کے ساتھ جی چاہتا گرہ باندھ دیتے، عورت کی اپنی مرضی کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ باپ تاکید کرتے کہ جس گھر میں تمہاری ڈولی گئی اب وہاں سے تمہارا جنازہ ہی نکلے گا۔ طلاق کے تمام راستے مسدود تھے، بیوی ہونے کی صورت میں یا تو عورت بھی خاوند کے ساتھ زندہ جل جاتی یا پھر تمام عمر اسی کے نام پر گزار دیتی، دوسرے نکاح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

خاوند کے تمام بھائیوں کی وہ مشترکہ بیوی سمجھی جاتی تھی۔ خاوند کسی من پسند عادات یا اوصاف کے شخص جیسے اوصاف والی اولاد حاصل کرنے کے لیے بیوی کو اس شخص سے ملاپ کی اجازت دیتا۔ عورت کا نہ جائیداد میں کوئی حصہ تھا نہ وہ کوئی اور مالی حقوق رکھتی تھی۔ مرد اپنے مملوکہ مال کی طرح عورت کو بیچ بھی سکتا تھا اور جوئے میں ہار بھی سکتا تھا۔

ایران میں ماں، بہن، بیوی کا کوئی امتیاز نہیں تھا۔ عورت ہر مرد کی مشترکہ جنسی میراث سمجھی جاتی تھی۔ بغیر کسی نکاح، مہر کی ادائیگی یا محرم رشتے کے حرمت کے جس مرد کو جو عورت اچھی لگتی وہ اس سے اپنی نفسانی خواہش پوری کر لیتا۔

عرب کے جاہلی معاشرے میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ یتیم بچیوں سے ان کے چچازاد وغیرہ خود نکاح کر لیتے تاکہ وراثت کا حصہ باہر نہ جائے اور وہ اس پر عورت کے ولی بن کر بدستور قابض رہیں۔ نیز اس بچی کا کہیں باہر نکاح کر دینے کی صورت میں کوئی ذمہ داری نہ اٹھانا پڑے۔ وہ یتیم بچیوں سے نکاح کرتے تو ان کو مہر بھی ادا نہیں کرتے تھے، یوں وہ یتیم بچی عمر بھر اپنے وارثوں کے ظلم وستم کا شکار رہتی۔

لاتعداد شادیاں کرنے اور لاتعداد طلاقیں دینے کا چلن عام تھا۔ مرد بیوی سے تعلقات قائم نہ کرنے کی قسم کھا لیتے اور بیوی کو طلاق دیتے نہ اسے بسا کر رکھتے۔

خاوند فوت ہو جاتا تو شوہر کے بیٹوں میں سے سب سے بڑے بیٹے کو یہ حق حاصل ہوتا کہ وہ اپنے باپ کی بیوی پر قبضہ کر لے۔ اگر عورت کو طلاق ہو جاتی یا وہ بیوہ ہو جاتی تو اس کے میکے یا سسرال میں سے کوئی بھی اس کا بوجھ اٹھانے کو تیار نہ ہوتا۔ لہٰذا اسے اپنا شکم بھرنے یا سر چھپانے کے لیے مجبوراً پھر شادی کرنا پڑتی۔ بے سہارا عورت جس کے ہاتھ لگ جاتی وہ اسے لونڈی بنا کر بیچ کر دام کھرے کر لیتا اور عورت بے چاری بھیڑ بکری کی طرح کبھی کسی کی ملکیت ہوتی کبھی کسی کی۔ مالک جسمانی خدمت کے علاوہ اپنی جنسی خواہش بھی بغیر کسی ضابطے کے اس سے پوری کرتا رہتا۔

بعض فاحشہ عورتیں اپنے گھروں پر جھنڈا لگا تیں جو اس بات کی علامت تھی کہ یہ عورت عصمت فروشی کا کام کرتی ہے۔ مرد چند ٹکے یا مٹھی بھر جو دے کر عورت سے اپنا مطلب نکال لیتے۔ معاشرے کی اسی بے ضابطگی، جنسی انارکی اور عورت کی تذلیل کی وجہ سے بعض لوگ بچی کو پیدا ہوتے ہی دفن کر دیتے۔ گو دفن کرنے کی وجوہات میں یہ بھی تھی کہ یہ بچی والد پر معاشی بوجھ بنے گی اور کمائی میں اضافہ نہیں کرے گی۔

اسلام نے اس بے مہار معاشرے کو لگام دی۔ اسے حدود وقیود کا پابند بنایا اور خواتین کے کسی احتجاج یا اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے کسی جلسے جلوس اور این جی اوز کے پر زور نعروں کے بغیر بڑی خاموشی اور

حکمت کے ساتھ عورت کی دادرسی کی اور بھیڑ بکریوں کی طرح عورتوں کی بھیڑ اپنے ہاں جمع کرنے کے بجائے نکاح کے شریفانہ طریقے، طلاق کے باضابطہ اصول، ایلاء کے قوانین، عورت کا وراثت میں سے حصہ، اس کی شخصی آزادی، اس کی رائے کی قدروقیمت، حسن معاشرت اور حسن سلوک کا وہ پیمانہ عملی طور پر پیش کیا جس کی مثال کوئی معاشرہ پیش نہیں کرسکتا۔

تعددِ ازدواج کی وجوہات:

ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں، مثلاً:

- ......عورت بانجھ ہے۔
- ......بچے کم ہیں اور مرد مزید بچوں کی خواہش رکھتا ہے۔
- ......صرف بیٹیاں ہیں بیٹا نہیں۔
- ......بیوی کسی طویل المیعاد بیماری میں مبتلا ہے۔
- ......بیوی سن یاس میں داخل ہوچکی ہے۔
- ......بیوی قبولِ صورت نہیں، جھگڑالو ہے۔
- ......باتونی ہے، سلیقہ شعار نہیں۔
- ......دین سے رغبت کم ہے، تعلیم یافتہ نہیں۔
- ......خاوند کے حقوق ادا کرنے میں تساہل برتتی ہے۔
- ......مرد کا مقصد کسی بے سہارا، بال بچے دار، بیوہ یا مطلقہ، بیمار یا پردیسی عورت کو سہارا دینا ہے۔
- ......کوئی عورت اچھی لگی، مرد اپنے نفس کے ہاتھوں مغلوب ہوگیا، اس نے گناہ سے بچنے کے لیے یہ حلال ذریعہ اختیار کرلیا۔
- ......کسی خاندان سے تعلق مضبوط کرنا ہے۔

مذکورہ تمام وجوہات ایک مسلمان کے لیے اپنی جگہ معقول ہیں پھر بھی بعض لوگ ان تمام وجوہات کو ماننے سے انکاری ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس طرح عیاشی کا دروازہ کھلے گا، مرد جب چاہے گا نیا نکاح رچالے گا اور جب چاہے کسی بیوی کو طلاق دے دے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیتوں سے واقف ہے، جس نیت کے تحت کوئی کام کیا جاتا ہے اس سے وہ خوب واقف ہے۔ اگر وہ صرف عیاشی کے لیے نکاح کرتا اور طلاق دیتا ہے تو اس کا یہ عمل ناپسندیدہ اور لغو کہلائے گا۔ لہٰذا اس نیت کے تحت نکاح کرنے پر اسے کوئی اجر نہیں ملے گا۔ جب کہ کسی ضرورت یا نیک نیتی کے تحت نکاح کیا جائے، گھر بسانے کے لیے اور نکاح کے فوائد یعنی عفت وعصمت کی حفاظت، بچوں کے حصول، عورت کے حقوق ادا کرنے یا کسی بے سہارا عورت کو سہارا دینے یا اس کی دل جوئی کے لیے تو یہ سب امور وہ ہیں جو نکاح کو ایک عبادت بنادیتے ہیں۔ نیز نکاح ایک مسلسل عبادت ہے۔

دورِ حاضر میں جو لوگ مرد کے ایک سے زائد بیویاں رکھنے کو قابل اعتراض سمجھتے ہیں ان کو یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ چاہے نکاح ایک ہی کیا جائے اگر اس میں بھی مندرجہ ذیل نیت کی یا عملی خرابیاں شامل ہوجائیں تو یہ نکاح کے شرعی مقاصد ہی کے منافی ہیں، مثلاً:

- ......جب جی چاہے گا طلاق دے دیں گے۔
- ......صرف متعین مدت تک کے لیے نکاح کرنا۔ا
- ......عورت کو مہر ادا کرنے کی نیت نہیں۔
- ......نفقہ ادا کرنے کا ارادہ نہیں۔
- ......عورت کو رہائش مہیا کرنے کا ارادہ نہیں۔
- ......اولاد حاصل کرنے کی نیت نہیں۔
- ......بچوں کے اخراجات اٹھانے کی نیت نہیں۔
- ......عورت کو لونڈی کی طرح دبا کر رکھنے کا خیال ہے۔
- ......مقصد بیوی کی کمائی سے فائدہ اٹھانا ہے۔
- ......گرین کارڈ حاصل کرنے کی نیت ہے۔

دورِ حاضر میں نیت کی مذکورہ خرابیاں نکاح میں اکثر دیکھنے میں آرہی ہیں۔ جب کہ دوسرے، تیسرے یا چوتھے نکاح میں نیت کی جس دروازہ تعیش کے کھلنے کی خرابی نیت کو اعتراض کرنے والے حضرت ابھار رہے ہیں وہ ان پیش کی گئی تمام خرابیوں سے ہلکی خرابی ہے۔

جو لوگ ایک بیوی پر اکتفا کرنے اور اسی کے مطابق قانون سازی کرنے کو پسند کرتے ہیں انہیں اس بات کا خیال بھی رکھنا چاہیے کہ اسلام مندرجہ ذیل امور وحرکات میں سے کسی ایک کو بھی مرد یا عورت، شادی شدہ ہو یا کنوارا کسی کے لیے بھی جائز قرار نہیں دیتا۔

- ......مرد یا عورت کا اپنی بیوی یا اپنے مرد کے علاوہ کسی

دوسرے نامحرم کونظر جما کر دیکھنا۔

⦿......نامحرم کی شکل وصورت کوتصور میں لانا یا اس کی چال ڈھال، گفتگو، لباس اور حلیے سے لطف اندوز ہونا۔

⦿......کسی اجنبی کے لباس، بالوں کے اسٹائل یا زیور کو تعریفی نظروں سے دیکھنا۔

⦿......اجنبی مردوں یا عورتوں میں بیٹھ کر ان سے گپ شپ کرنا، ان کے ہمراہ کھانا کھانا یا باہم سیر وتفریح اور سفر پر جانا۔

⦿......اجنبی مرد یا عورت کو تحائف لینا دینا۔

⦿......اجنبی عورتوں کے ساتھ مل کر دفتر میں بیٹھنا، کام کرنا، باہم اکثر وبیشتر بالمشافہ رابطہ رکھنا۔

⦿......اجنبی مرد وعورت کا کسی جگہ تنہا یک جا ہونا۔

غور کیجیے! جن معاشروں میں ایک بیوی کا رواج ہے وہاں یہ تمام صورتیں اجنبی مرد اور عورت کے درمیان موجود ہیں۔ مغرب میں حرامی بچوں کا سبب اسلامی طریق نکاح اور ستر وحجاب کو نظر انداز کرنے ہی کا تو نتیجہ ہے۔ وہاں نکاح تو ایک عورت سے ہوتا ہے لیکن عملی طور پر ہزار عورتوں کے ساتھ تعلق رکھنے پر کوئی پابندی نہیں بلکہ یہ معاشرے کی ایک عام روایت ہے اور اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ جو مرد یا عورت اپنا دوست نہ چنے اسے بیمار یا نفسیاتی مریض تصور کیا جاتا ہے۔

اسلام صرف ایک، دو، تین یا چار نکاحی عورتوں کے لیے ہی یہ فرمان جاری کرتا ہے کہ مرد ان سے ہی گفتگو، نظر، باہم خورد ونوش، باہم گپ شپ، تحائف کا لین دین، تنہائی وخلوت یا حلیے اور لباس سے لطف اندوز ہو۔ دنیا کی باقی تمام نامحرم عورتوں کے ساتھ اس کا ان میں سے ایک انداز اپنانا بھی ناجائز کے ذیل میں آتا ہے۔

اسلام اپنی جائز بیوی کے علاوہ دنیا کی کسی بھی نامحرم عورت کو نظر اٹھا کر دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا، باقی امور تو بہت دور کی بات ہے۔ صرف ایک بیوی کے قانون کی صورت یہ امکان سو فیصد ہوتا ہے کہ مرد پہلی بیوی کو طلاق دے کر نیا نکاح کر لے۔ اس صورت میں پہلی بیوی کا کیا حشر ہوگا ذرا تصور میں لایئے!

⦿......بچوں کا مستقبل تباہ ہو جائے گا وہ ماں یا باپ کسی ایک سے محروم ہو جائیں گے۔

⦿......عورت بے سہارا ہو جائے گی اور اسے نئے سے سہارا تلاش کرنے کے لیے مختلف مشکلات اور تکلیفات سے گزرنا پڑے گا۔

⦿......جس عیب کی بنا پر اسے طلاق دی گئی ہے اگر وہ اتنا سنگین اور نمایاں ہو کہ کوئی بھی اس سے نکاح کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ مثلاً بیمار ہے، بوڑھی ہے، بانجھ ہے، قبولِ صورت نہیں، مال دار نہیں تو وہ بے سہارا ہو جائے گی۔

⦿......اکثر برادریوں میں طلاق عورت کے لیے ایک عیب تصور کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کا دوسرا نکاح ہی مشکل سے ہوگا۔

⦿......مرد پہلی بیوی کو طلاق دیئے بغیر نیا نکاح نہیں کر سکتا۔ لہٰذا وہ نئی بیوی پسند آتے ہی پہلی بیوی کو طلاق دے دے گا۔ یوں عورت کے ہمیشہ کے لیے بے گھر اور بے سہارا ہونے کی بجائے کیا یہ بہتر نہیں کہ وہ مرد کی دوسری بیوی کا وجود برداشت کر لے۔

⦿......بعض عورتیں ایسی بھی ہیں کہ مرد کو اپنی پہلی بیوی سے بھی دلی رغبت ہوتی ہے۔ اس کی کسی خوبی کی بنا پر وہ اسے کھونا نہیں چاہتا۔ بعض صورتوں میں مرد پر خاندانی دباؤ ہوتا ہے کہ وہ کسی دوسری عورت سے نکاح کر لے لیکن وہ پہلی بیوی کو طلاق نہیں دینا چاہتا یا پہلی بیوی خود اس کے پاس رہنے کو ترجیح دے رہی ہو۔ اس صورت میں مرد پر یہ ظلم ہوگا کہ اسے قانون مجبور کرے کہ وہ پہلی بیوی کو چھوڑ کر ہی دوسری بیوی کرے۔

ہر مرد اور عورت میں خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور خامیاں بھی۔ اسلام یہ ترغیب دیتا ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کی خامیاں خندہ پیشانی سے برداشت کریں اور ایک دوسرے کی خوبیوں کو پیش نظر رکھیں۔ باہم محبت، وفا اور اخلاص کے ساتھ زندگی گزاریں۔ اگر کبھی دلی رغبت نہ بھی رہے تو بھی ایک دوسرے کے حقوق بہر صورت ادا کریں۔ باہم مفاہمت کی امکانی حد تک کوئی نہ کوئی صورت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

حق طلاق یا حق خلع اس وقت استعمال کرنے کی اجازت ہے جب میاں بیوی یہ محسوس کریں کہ اب نباہ کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ ایک متقی مسلمان طلاق کو عیاشی کا ذریعہ نہیں بنا سکتا۔ لہٰذا اس کے

لیے یہ گنجائش ہے کہ وہ چار کی تعداد تک بیویاں کر کے طلاق سے بھی بچا رہے اور اپنی بیوی کی کسی ایک ضرورت یا زیادہ ضرورتوں کو پورا کرنے کی ذمہ داری اٹھائے رکھے۔

طبعی ضرورت:

اللہ تعالیٰ نے مرد کی فطرت میں عورت کی خواہش رکھی ہے۔ فرمان ہے:

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ ﴾

[آل عمران ٤ : ١٤]

''لوگوں کے نفس کو خواہشات مرغوب کر دی گئی ہیں جیسے عورتیں اور بیٹے۔''

لہٰذا مرد کا ایک سے زیادہ عورتوں کی طرف راغب ہونا اس کی فطرت میں ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اس کی اس فطری خواہش کو ایک وقت میں چار بیویوں کی اجازت میں مقید کر دیا ہے جو مرد اللہ کے تقویٰ کے پیش نظر اس حد ہی میں اپنے آپ کو پابند رکھے، احکامِ الٰہی کی اطاعت کرے، اسے جنت میں حورِعین عطا کی جائیں گی۔ نیز ان کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ [جاری ہے]



اطلاع عام

ہم جنوبی پنجاب سے متعلقہ افرادِ اہل حدیث کی خدمات اہل حدیث کے عنوان سے ایک کتاب ترتیب دینا چاہتے ہیں۔ اس کتاب میں جنوبی پنجاب کے حال و ماضی کے علماء، خطباء، اساتذہ، وکلاء و ہر طبقہ زندگی سے احباب اہل حدیث کی دی گئی خدمات کا تذکرہ شامل ہوگا۔ اس کتاب میں ایک ڈائریکٹری بھی درج کی جائے گی۔

احباب وقارئین اس سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں اور اپنے اپنے علاقے سے اہل حدیث کی خدمات کے بارے میں مطلع کریں۔ نیز جنوبی پنجاب کی مساجد، مدارس اور پتے بھی ارسال کریں، جزاکم اللہ تعالیٰ

[عبدالرحیم اظہر c/o ماسٹر محمد امین چانڈیہ، محلّہ نظام آباد بیرون بلاک 46 کنکن روڈ ڈیرہ غازی خان، فون نمبر 0321-6793852]

قند مکرر

مفید اور مضر کا ٹھیک ٹھیک علم کیونکر حاصل ہوتا ہے

مولانا قاضی عبدالرحیم صاحب

انسان یہ کیسے معلوم کرسکتا ہے کہ کون سا کام یا کون سی چیز میرے لیے یقیناً مفید یا واقعی مضر ہے یا فلاں کام کو کس طریق پر انجام دینا یا فلاں چیز کو کس طرح پر استعمال کرنا چاہیے۔ تا کہ اس سے غرض مطلوب یقیناً حاصل ہو اور اس میں تخلف کا شبہ باقی نہ رہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف اشخاص، جماعتیں، قومیں اور حکومتیں اپنے علوم، تجربات اور حاصل کردہ نتائج کی بناء پر اپنے انفرادی اور اجتماعی امور میں پورے غور وفکر اور مشوروں کے بعد مختلف کاموں کے کرنے یا نہ کرنے اور کئی چیزوں کے حاصل یا ترک کرنے کا فیصلہ کرتی ہیں۔ ان کاموں کی انجام دہی اور ان اشیاء کی تحصیل یا ترک کے لیے ہر قسم کی تجاویز، طریقے اور فیصلے پوری سوچ بچار سے طے کرتی ہیں۔

اسباب کی فراہمی، ان کی توخیر، ترتیب، ان کے استعمال اور حفاظت میں ذرہ بھر کوتاہی گوارا نہیں کرتیں۔ لیکن اس تمام محنت اور خرچ کے نتائج ٹھیک برآمد نہیں ہوتے۔ کبھی حسب منشا نتیجہ نکلتا ہے، کبھی بالکل برعکس، کبھی ناتمام اور ناقص اور کبھی سب کچھ رائیگاں اور بے سود جاتا ہے۔ نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلتا۔

جرمن قوم کے علماء، فلاسفروں، مدبروں اور ہٹلر نے اپنی قوم کی بہتری، ترقی اور حفاظت میں کون سی کمی باقی چھوڑی؟ جاپان کی سلطنت اور اس کی قوم کے اہل علم وتجربہ اور مدبرین نے اپنی حفاظت، بہودی اور کامیابی کے لیے کیا کچھ نہیں کیا؟ اور تو اور انگریز جیسی دور اندیش سمجھ دار، محتاط قوم اور برطانیہ جیسی مدبر اور سیاست دان، بے مثال شان وشوکت اور بے نظیر اسباب وذرائع کی مالک حکومت نے اپنی سابقہ پوزیشن قائم رکھنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا؟ ان حکومتوں کے علوم وفنون، عقلیں، تجربے، اسباب وذرائع، مشورے، تجویزیں اور کوششیں کیا ہوئیں؟ ان میں سے ہر ایک نے اپنے علم وقدرت کی آخری حد تک کوشش کی۔ لیکن ہوا وہی کچھ جو کہ ان قوموں اور حکومتوں کی خلاف مرضی تھا۔

جب انسان کے اجتماعی علم وقدرت کی مساعی کی یہ حالت ہے تو انفرادی علم وطاقت پر کیسا اعتماد؟ آخر وہ کون سے مادی اسباب تھے جو ان قوموں اور حکومتوں کے پاس نہ تھے۔ سب کچھ تھا لیکن ایک چیز نہیں تھی جس پر ان تمام مادی اسباب کی قوتوں اور آثار کا مدار ہے، اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی نصرت واعانت جس کے آگے دنیا کے سارے انفرادی اور اجتماعی مادی اسباب بے حقیقت ہیں۔ لیکن غیر مسلم اذہان وافکار ان اسباب کے خلاف منشاء نتائج کو اسباب کی کمی اور کوتاہی پر حمل کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں اور ان کی نظر بصیرت اسباب کے اس ضعف کی وجوہات کی طرف نہیں بڑھتی۔

صدق اللّٰہ تعالیٰ: وَمَا اوتیتم من العلم الا قلیلا ۔

انسانو! تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عالم دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہر کام کی تکمیل کے لیے دو قسم کے اسباب مہیا کر رکھے ہیں۔ ایک قسم پر انسان کو پوری دسترس اور اختیار حاصل ہے۔ وہ جس طرح بھی چاہے ان کو استعمال کرسکتا ہے اور ان میں دخل دے سکتا ہے۔ ان کے اثرات اور نتائج کا انسان کو علم ہے اور وہ ان کے استعمال سے ان کے نتائج کو حاصل کرتا رہتا ہے۔

لیکن اسباب کی دوسری قسم پر انسان کو کوئی قدرت اور اختیار حاصل نہیں نہ انسان کا علم ان پر محیط ہے اور نہ اس کی قدرت وارادہ کو ان کے استعمال واثر میں کچھ دخل ہے۔ اسباب کی یہ قسم پہلی قسم پر حاوی اور حاکم ہے۔ انسانی علم وقدرت صرف پہلی قسم تک محدود ہے۔ دوسری قسم کے اسباب کی باگ ڈور اس مالک کے ہاتھ میں ہے جو اس دنیا کا مدبر

اور منتظم ہے اور جس نے ان اسباب کو نظام عالم کے قیام واستحکام کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ اگر ان اسباب میں انسان کا کچھ دخل ہوتا تو اس دنیا کا نظام لمحہ بھر بھی قائم نہ رہتا۔

اس امر کی حقیقت زراعت میں دیکھو۔ زمین میں ہل چلانا، اسے نرم اور باریک کرنا، بیج ڈالنا، ضرورت کے مطابق پانی دینا اور اس کی حفاظت غور پرداخت سب کچھ انسان کے علم اور قدرت میں ہے۔ لیکن زمین کا بیج اگانا، نرم ونازک پودے کا زمین سے غذا حاصل کرنا، پودے کی نشو ونما، پتے، پھول اور پھل لانا، گرمی کا اس پھل کو پکانا اور آخر تک ہر قسم کی آفات سے محفوظ رہنا ان امور میں انسان کا علم اور قدرت بالکل قاصر اور بے بس ہیں۔ ظالم اور جاہل انسان پہلی قسم کے اسباب کو ہی اپنا ملجا وماویٰ اور اس مادی دنیا کا منتہائے کمال یقین کر کے صرف ان پر ہی اعتماد کر لیتا ہے۔ دوسری قسم کے اسباب اور ان اسباب کے خالق، اس دنیا کے مدبر اور منتظم کی طرف ان کی توجہ منعطف نہیں ہوتی۔ لیکن انسان کو دوسری قسم کے اسباب اور ان کے مالک ومدبر کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

اگر انسان کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جاتا اور اسے یقینی مفید اور یقینی مضر سے آگاہ نہ کیا جاتا تو ظاہر ہے کہ اس کا انجام اس کے لیے بجز خسارہ اور تباہی کے کچھ بھی نہ ہوتا۔ انسان تو جہول اور ضعیف ہے:

﴿ انه كان ظلوما جهولا ﴾

جہول مبالغے کا صیغہ ہے۔ دوسری جگہ فرمایا:

﴿ خلق الانسان ضعيفا ﴾

ضعف انسان کی خلقت میں ہے۔

انسان کے لیے یقینی مفید اور مضر کا علم صرف اسی ذات کامل الصفات کو ہوسکتا ہے جس نے انسان کو بنایا۔ اس میں قوتیں اور اعضاء پیدا کیے۔ اس میں ایک خاص فطرت، جذبات، خواہشات، ضروریات اور حاجتیں پیدا کیں۔ جس نے نوع انسانی بلکہ ہر فرد کی پیدائش سے پہلے ہی اس کے فطری تقاضوں کے مطابق اس عالم دنیا میں اس کے لیے ہر قسم کے سامان پیدا کر دیئے۔ جس جس چیز کی نوع یا فرد کو ضرورت پڑتی ہے۔ قدرت نے پہلے سے پیدا کر رکھی ہے عورت اور مرد میں صنفی ضروریات پورا کرنے کے اسباب، اسباب خور دونوش کے لیے بادل وبارش، آب رسانی اور نباتات وحیوانات کی پیدائش کے سلسلے۔ پھر انسان کی راحت وآرام کے لیے بری اور بحری سفر اور بار برداری کے ذرائع ہوا۔ آگ، پانی، مٹی، سورج کی حرارت اور روشنی وغیرہ جس طرف بھی دیکھو۔ انسان کے خادم اسباب حاضر نظر آئیں گے۔ جس مالک کی نظر رحمت نے انسان کو اس قدر خدمت گزار دیئے اور ان سے خدمت لینے کے لیے عقل جیسی امتیازی نعمت عطا فرمائی۔ فی الحقیقت وہی انسان کے لیے حقیقی اور یقینی مفید یا مضر کو بھی جانتا ہے۔ انسان کی فطرت، جہالت، ضعف اور اس مالک الملک کی ربوبیت، رحمت اور اتمام نعمت اس امر کے مقتضی ہیں کہ وہ مالک اس انسان کو اس کے یقینی نافع اور حقیقی ضار سے آگاہ فرمائے۔ انبیاء ورسل کے بھیجنے، مختلف وقتوں میں متعدد کتابیں اتارنے اور مذاہب کی تعلیم دینے کا اصل مقصد یہی ہے۔

معلوم ہوا کہ مفید اور مضر معلوم کرنے کا یقینی ذریعہ صرف ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور اس کے رسولوں کی تعلیم، لیکن رسولِ کریم ﷺ اور قرآنِ کریم سے پہلے کی کتابیں اور سابق انبیاء کی تعلیم چوں کہ عجمی (گونگی) زبانوں میں تھیں۔ اس لیے وہ اپنے مفہوم کے ادا میں درجہ کمال پر اور حفظ وبقا میں مرتبہ انتہا تک نہ پہنچ سکیں۔ اور چوں کہ اُس وقت تک انسانیت بھی اپنے کمال کے مرتبہ تک نہیں پہنچی تھی۔ اس لیے ان کتابوں اور تعلیم کی تکمیل ضروری بھی نہ تھی۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کتابیں، تعلیم اور زبانیں، سب کی سب، تبدیلی زمانہ اور ترقی انسانیت کا پورا پورا ساتھ نہ دے سکیں اور محرف ومتغیر ہوگئیں۔ یہاں تک کہ اب یہ بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس زبان میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن جب انسانیت درجہ کمال پر پہنچ گئی اور عربی زبان نے بھی اپنی فصاحت وبلاغت اور دوسری بے انتہا خوبیوں کے ساتھ کمال کا مرتبہ حاصل کر لیا تو حکمت الٰہیہ نے وہی کتابیں، باضافہ ہدایات زائدہ وضروریہ قرآنِ کریم اور اسوۂ محمدیہ کی

صورت میں نازل فرما دیں اور وہی انبیاء سابقہ کی تعلیم بہتر اور مکمل اور محفوظ تر حالت میں تا قیام قیامت دنیا میں باقی رکھنے کا انتظام کر دیا۔ یہاں تک کہ یہ نظام شمسی تباہ وبرباد ہونے تک۔

قرآنِ کریم اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم نابود نہیں ہوسکتی۔ اس لیے اب صحیح ہدایت وراہنمائی اور یقینی مفید ومضر معلوم کرنے کا دنیا میں ایک اور صرف ایک ہی ذریعہ ہے۔ یعنی قرآنِ کریم اور اسوۂ محمدیہ ﷺ۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت دنیا میں دین اسلام کے سوا کوئی بھی دین یا مذہب کامیابی کا یقینی کفیل اور نجات کا قطعی ضامن نہیں پایا جاتا۔ اور یہ قطعی فیصلہ کر دیا گیا ہے:

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ﴾ [آلِ عمران: ۸۵]

''جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہے گا وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور (ایسا کرنے والا) آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔''

انسانی فطرت، انسانی عقل، واقعات عالم اور ان سے حاصل کردہ تجربے اور نتیجے اگرچہ معتد بہ حد تک مفید اور مضر معلوم کرنے میں انسان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ تاہم ان کی راہنمائی یقینی صحیح نہیں۔ اس لیے کہ یہ چیزیں انسانی جذبات، اغراض، ضروریات اور ماحول سے متاثر ہوکر عموماً تبدیل اور فاسد ہو جاتی ہیں۔

علاوہ ازیں ان چیزوں کی موجودگی میں بھی انسانی علم کا منتہا یہ ہے کہ اسے اپنی آج کی شام اور صبح کا بھی علم نہیں کہ کیسے گزرے گی۔ پھر وہ آئندہ کے لیے اپنے معاملات کے متعلق یقینی علم کیسے حاصل کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے تعلیم قرآن کو انسان کے لیے سب سے بڑی رحمت اور احسان قرار دیا۔ بلکہ انسان کو انسان بنانے، تقریر اور تحریر کی قوت بخشنے، سورج، چاند وغیرہ کائنات ارضی وسماوی کو انسان کا خادم بنانے سے بھی بڑھ کر فرمایا:

﴿ الرحمن ○ علم القرآن ﴾ [الرحمن: ۲،۱]

''رحمٰن نے سکھایا قرآن۔''

اس کے بعد دوسری نعمتیں ذکر فرمائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکمالِ دین اسلام کو نوع انسانی کے لیے اتمام نعمت ٹھہرایا۔ ارشاد ہے:

﴿ اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا ﴾ [المائدۃ: ۳]

''آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور تمہارے لیے دین اسلام پسند کر لیا۔''

یہی وجہ ہے کہ قیامت تک قرآنِ کریم کی حفاظت کو اپنے ذمہ لیا اور یہی وجہ ہے کہ قرآن واسلام کے بغیر دنیا میں اللہ تعالیٰ کوئی دوسرا دین یا کتاب قبول اور منظور نہیں۔ فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ﴾ [آلِ عمران: ۸۵]

''جس نے بھی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کیا وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا اور انجام کار وہ خسارہ پائے گا۔''

اور یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم اور رسول کریم کے بعد کسی دوسرے نبی اور کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ لیکن حیف ہے آج کے مسلمانوں پر کہ وہ جانتے، دیکھتے اور سنتے ہوئے قرآن اور اسوۂ نبی کو چھوڑ کر یورپین اقوام اور یہود ونصاریٰ جیسے گمراہ فرقوں کے پیچھے دوڑنا اپنا کمال سمجھتا ہے اور قرآن جیسی نعمت کو اپنے لیے غیر کافی یقین کرتا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب اگر ایسا مسلمان جو یقینی مفید اور مضر میں تمیز تک نہیں کرسکتا، یا نہیں کرنا چاہتا وہ اگر تباہ نہ ہو تو اور کیا ہو۔ خود ہلاکت اور ضرر کے طالب کو اللہ تعالیٰ امن اور آرام کیسے عطا فرمائے۔

﴿ ذلك بما قدمت يداك وان ليس بظلام للعبيد ﴾

''یہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔'' [الحج: ۱۰]

عافانا اللّٰہ

❀❀............❀............❀❀

تحقیق وتنقید

میسیج (SMS) کی ضرورت اور طریقہ استعمال

عبدالقادر رحمانی (مدرس جامعہ شمس العلوم المحمدیہ اہل حدیث، بدین)

انسان فطرتاً اپنے ہم طبیعت اور ہم خیال کے عادت واطوار سے مانوس ہوتا ہے۔ایک دوسرے کا ادب واحترام اور لطف ومحبت کے پہلو کو ملحوظ رکھنا باہم محبت اور مروّت بڑھانا، سلام کرنا، شکریہ ادا کرنا، ایک دوسرے کو نیک دعائیں دینا، اچھی بات کہنا اور سمجھانا یہ سب فطرت سلیم کا تقاضا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظ انس کے ایک معنی مخلص دوست بھی ہے۔ کیوں کہ انسان طبعاً شریفانہ جذبات کا ممنون ہوتا ہے اور اپنے دوست سے بھی انہی خدمات کو برقرار رکھنے کا متمنی ہوتا ہے۔

ان کی خبر گیری، حال پوچھنا اس کے متعلق معلومات رکھنے میں ہمہ وقت مشغول رہتا ہے اور یہ کوئی عمل قبیح نہیں، بلکہ اخوت انسانی اور آداب اسلامی میں شامل ہے۔

ذرائع تعلقات:

یقیناً ہر دور کا ماحول، معاشرہ، معاملات، عادت واطوار یکساں نہیں۔ ہر دور کی اپنی ثقافت ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے سے تعلقات قائم رکھنے اور خبر گیری کے مختلف ذرائع ہیں۔ چوں کہ جناب داؤد اور سلیمان علیہما السلام نبی تھے اور ان کو پرندوں کی زبان سکھلائی گئی تھی تو ملک سبا کی خبر گیری کے لیے ہدہد نے اس عمل کو سرانجام دیا۔

حضرت مریم علیہا السلام اور جناب ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں کے ذریعے اولاد کی خوشخبری دی گئی۔علی ہذا القیاس۔ ہر دور کا اپنا تقاضا ہے۔

خطوط اور رسائل:

ایک دوسرے کا حال پوچھنے اور تعلقات کو برقرار رکھنے میں خطوط ورسائل کی لمبی سی تاریخ ہے۔ کسی دور میں ایک گھوڑ سوار ایک پیغام کو لے کر دوسرے ملک، علاقہ کی طرف جاتا، تو اس کو کئی دن ہفتے اور مہینے بھی لگ جاتے۔لیکن وہ اس ذمہ داری کو اپنے دل سے نبھاتا۔ اور اس کو ایک قاصد کی حیثیت حاصل ہوتی تھی جس کی قدر دانی ہر قوم پر لازم تھی۔ رسول اکرم ﷺ کے پاس مسیلمۃ کذاب کے دو قاصد آئے اور انہوں نے آپ کی گستاخی بھی کی۔لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر یہ نہ ہوتا کہ قاصد قتل نہیں کیے جاتے تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔

[سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الرسل: ۲/۲۴]

اس کے بعد خط وکتابت کے لیے ڈاکخانہ کی ضرورت پڑی۔ خطوط ورسائل کو پہنچانے کے لیے ڈاکیے مقرر کردیئے گئے۔ اگر کسی کو معلوم ہوجائے کہیں سے میرا خط آرہا ہے تو معلوم نہیں کتنی شدت سے اس کا انتظار کرتا۔ عام دیہاتی ماحول میں کسی دور رہنے والے شخص کے خط پہنچنے پر سارا گھرانہ خوشی میں مہک جاتا اور کبھی کبھی تو کئی دفعہ اس خط کو پڑھنے کی محفلیں لگ جاتیں لیکن دنیا نے جب سے ترقی کی منزلیں طے کیں تو خط وکتابت نے بھی اپنی تیز رفتاری میں سبقت کی۔ TCS، MCS وغیرہ کے ذریعے اور زیادہ سہولت میسر ہوگئی۔ جوں جوں دنیا جدید سہولیات کے ذریعے آگے بڑھنے لگی تو خط وکتابت نے بھی عام لفافوں کی اہمیت کو گرا کر موبائل سسٹم کے ذریعے میسیج (SMS) کے انداز میں جدت اپنائی۔ اور یقیناً یہ ایک لحاظ سے عظیم نعمت بھی ہے کہ کئی دنوں کے بعد ملنے والی خبر چند لمحوں میں معلوم ہوجاتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ اور راہنمائے مبارکہ:

خطوط ورسائل کو دین اسلام کی اشاعت میں ایک اہم جز قرار دیا جائے تو بات لغو نہیں ہوگی۔

حدیبیہ کی صلح سے کس قدر اطمینان نصیب ہوا تو وقت آیا کہ اسلام

کا پیام تمام دنیا کے کانوں میں پہنچایا جائے۔ اس بنا پر آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں میں سے چند ہوشیار مسلمانوں کو چنا اوران کو دعوتِ اسلام کے خط دے کر آس پاس کے رئیسوں اور بادشاہوں کے پاس بھیجا۔ عرب کے رئیسوں کو چھوڑ کر عرب سے ملی ہوئی بادشاہتیں یہ تھیں: حبشہ، ایران، روم اور مصر، قیصر روم شہنشاہ، عجم، عزیز مصر اور رؤسائے عرب کے نام دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے جو لوگ خط لے کر گئے اور جن کے نام لے کر گئے، ان کی تفصیل یہ ہے:

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ	قیصر روم کے نام
حضرت عبداللہ بن حذافہ	خسرو پرویز کجکلاہ ایران کے نام
حضرت حاطب بن ابی بلتعہ	عزیز مصر کے نام
حضرت عمرو بن امیہ	نجاشی، بادشاہ حبش
حضرت سلیط بن عمر	رؤسائے یمامہ
حضرت شجاع بن وہب الاسدی	رئیس حدود شام وغیرہ

تاجداروں کو خطوط لکھتے ہوئے حضور ﷺ نے ایک طرف مروّجہ آداب کا اہتمام کیا۔ یعنی بطور خاص مہر کرنے کے لیے انگوٹھی بنوائی اور اس میں محمد رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کندہ کرائے۔ دوسری طرف اپنا ایک خاص اسلوب و نہج پیدا کیا۔ ہر خط کا آغاز خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے فرمایا۔ پھر مرسل کی حیثیت سے اپنا نام لکھوایا۔ پھر مکتوب الیہ کا نام پھر کم سے کم اور انتہائی محتاط اور جچے تلے الفاظ میں مدعا بیان فرمایا۔

اس دور کے لحاظ سے جو سفارتی زبان آپ نے خطوط کے لیے استعمال کی وہ حضور ﷺ کی ذہنی برتری کو ہمارے سامنے واضح کر کے آج بھی حیران کر دینے والی ہے۔ مثلاً کمال ایجاز کے ساتھ یہ الفاظ: اسلم تسلم، یا اس طرح فعلیک اثم المجوس وغیرہ۔

علاوہ ازیں جن دوسرے چھوٹے والیوں تک دعوت بھیجی گئی ان میں سے فروۃ بن عمرو رومی سلطنت کا گورنر تھا۔ جس نے اسلام قبول کر کے نہ صرف عہد و جاہ پر لات ماری بلکہ جان بھی شہادت حق میں لگا دی۔

دوسرا نجد کا حکمران ثمامہ تھا جو سن ۶ ہجری میں مسلمان ہوا۔

تیسرا جبلہ غسانی جو سن ۷ ہجری میں مسلمان ہوا۔

چوتھا دومۃ الجندل کا حاکم اکیدر بھی مسلمان ہوا۔

پانچواں ذوالکلاع حمیری جو قبیلہ حمیر کا بادشاہ تھا اور اپنے آپ کو خدا کہلاتا اور لوگوں سے سجدہ کراتا آخر کار یہ بھی مسلمان ہوا۔ اور دور فاروقی میں بادشاہت چھوڑ کر راہبانہ زندگی بسر کرنے کے لیے مدینہ آ گیا۔ اور اس نے اسلام لانے کی خوشی میں اٹھارہ ہزار غلام آزاد کیے تھے۔ [محسن انسانیت: ۶۰۸]

اور اس طرح صحابہ کرام خلفائے راشدین اور اکثر صحابہ کرام نے دعوتِ اسلام کو خطوط کے ذریعے بھی بہت فروغ دیا۔

میسج اور ضرورت:

آج جب کہ خط و کتابت کی جگہ موبائل میسج نے پر کر لی ہے تو ہمیں کس طرح ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ جہاں تک کہ ایک ضرورت کی بات ہے تو بقدر حاجت اس کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ اس سہولت سے بالا ولیٰ فائدہ اٹھانا چاہیے۔ کیوں کہ یہ نعمت عاجلہ میں سے ایک ہے اور یہ سب چیزیں انسان کے فائدہ کے لیے ہیں۔

لیکن ہماری بے احتیاطی، نعمت کی بے قدری اور ناشکری پر بھی کیا کہا جائے اگر کسی کمپنی کی طرف سے یہ آفر آنا شروع ہو جائے، مختلف پیکج مبارکباد، صرف تین روپے میں پانچ سو میسج فری۔ جن کو ۲۴ گھنٹوں میں مکمل کرنا ہے تو ہم جلدی سے اس کا اہتمام کریں گے، کہیں موقعہ ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ پھر ہر قسم کے میسج بغیر کسی تمیز کے بھیجنے شروع کریں گے کیوں کہ آفر کا وقت بہت محدود ہے۔ اور پھر ہمارا یہ اسراف بھی قابل حرج ہے۔ آپ فرض کیجیے کہ اس قسم کی ہر آفر قبول کریں تو ایک مہینہ میں ہمارے نوے روپے بن جاتے ہیں، جو کہ صرف ہم نے میسج پر ضائع کیے اگر ہم اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تو یہ صرف نوے نہیں بلکہ ۶۳۰۰۰ تریسٹھ ہزار اور اس سے زیادہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایسا کہاں کرتے۔

تو پھر کیا ہمارا یہ اسراف قابل داد ہے؟ کیا اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی نہیں ہیں؟ [دیکھیں سورۃ بنی اسرائیل، آیت: ۲۷]

بلکہ ایسے شخص کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ پسند ہی نہیں فرماتا۔

﴿ ان اللہ لا یحب المسرفین ﴾ [الاعراف: ۳۱]

''بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''
اور یہ مومن کی شان نہیں کہ اپنے مال ومتاع کو ایسے ضائع کرے۔[حدیث نبوی]

اقسام میسج:

یہ SMS جو آج کل بجائے ایک ضرورت کے ہمارا اسٹائل بن چکے ہیں، کئی قسموں پر ہیں:

①......شرکیہ میسج: جن میں صریحاً شرک سمایا ہوا ہے۔
آج سے قبل شرکیہ نعرے الفاظ اور وظائف جو کہ صرف اشتہاروں اسٹیکر اور درباروں کی دیواروں تک محدود تھے وہ ہم نے بغیر کسی عیب کے اپنے موبائل میں محفوظ کرنے شروع کر دیئے۔
کسی بھائی کو دعا وسلام کی بجائے ان الفاظ میں یاد کیا جاتا ہے:
یا علی مدد، یارسول اللہ، میری کشتی پار لگادے، یاحسین، یاغریب نواز، یاغازی عباس وغیرہ۔
اس قسم کے کتنے ہی شرک کو دعوت دینے والے میسج موجود ہیں جن کو دیکھ کر دل ہوتا ہے سیپارا۔
شرک کی مذمت اور اس کے بھیانک نتائج سے کون مومن واقف نہیں کہ جس کے متعلق خالق کائنات نے مشرک (جو بحالت شرک میں فوت ہوا) کو کبھی معاف نہیں کروگاں گا۔ بلکہ شرک کی بنا پر اس کے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔لیکن وائے نادانی ہمیں کوئی فکر نہیں بغیر کسی فکر کے شرک کے دواعی بنا کر کھڑے ہیں۔

②......عشقیہ میسج: اگر میں یہ دعویٰ کروں کہ آج کل رائج میسج میں پچاس فیصد ایسے ہیں جو کہ اس ذلیل اور سفلا پن میں شامل ہیں تو غالباً یہ بات لغو نہیں ہوگی۔ اپنے آپ کو محبوب کے سامنے محتاج سمجھنا ''کہ کاش میں آپ کے پاؤں کی مٹی نہ بن سکا'' میرا جنازہ جب بھی آپ کے گھر سے گزرے تو کم از کم اپنا پاؤں میرے منہ پر رکھ دینا، میں جان ہوں میری روح تم ہو، میں جسم ہوں میری زندگی تم ہو،تم آنکھ پھیر لینا میں مر نہ جاؤں بے وفا کہنا۔
یہ مسلمان ہے جنہیں حکم تھا:

﴿ **قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین** ﴾ [الانعام: ١٦٢]
جن سے یہ امید تھی:
﴿ **والذین امنوا اشد حباً للّٰہ** ﴾ [البقرۃ:١٦٥]
''اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔''
لیکن وائے نادانی تو محتاج ساقی ہوگیا۔ مے بھی تو مینا بھی تو ساقی بھی تو محشر بھی تو۔ایک مومن کے لائق نہیں کہ اپنے دل کو اس قدر دنیا کی ہوس میں پھنسادے۔**اللھم وفقنا لما تحب وترضی**

③......مزاحیہ میسج: خوش طبع رہنا انسان کی ایک اچھی خصلت ہے اور اپنے بھائی سے خوش طبعی سے ملنا ان کے دل کو بہلانا اچھے کلمات کے ذریعے ان کے دل کو خوش کرنا یقیناً ایک مومن کا شیوہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام نے کتب احادیث میں جب فقہی ابواب کو ترتیب دیا۔تو باب المزاح کو درج کیا، جن میں ان احادیث مبارکہ کا ذکر موجود ہے، کہ آنحضرت ﷺ نے خوش طبعی کے لیے مزاحیہ کلمات فرمائے ہیں۔
[انظر مشکوٰۃ المصابیح:۴۱۶]
لیکن یہی مزاح جب مبالغہ کی حد تک پہنچ جائے تو مزاح نہیں تسخیر کہلاتا ہے جو بالکل حرام ہے۔

مزاحیہ میسج کی اقسام:

ایک تو وہ ہیں جو محض خوش طبعی کے لیے ہیں۔ان کے علاوہ وہ میسج جن کا مقصود صرف اپنے بھائی کا مذاق اڑانا کسی بھی ذریعے ان کی تحقیر کرنا، اس کی عزت وآبرو سے کھیلنا، یقیناً اس قسم کے میسج اس آیت کے زمرے میں آتے ہیں:
﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ ﴾ [الحجرات:١١]
''اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں، اور اس طرح عورتیں......''
اور حدیث شریف میں بھی اس قسم کے مذاق سے منع کیا گیا ہے۔
دوسری قسم کے وہ میسج جن کے ذریعے صریحاً اسلام کا مذاق اڑایا

جاتا ہے۔ کبھی جنت وجہنم کا ذکر مزاحیہ انداز میں، کبھی میدانِ محشر کے متعلق مذاق، تو کبھی شعائرِ اسلام پہ مذاق کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے۔ میرے پاس ایک میسیج آیا (جس کی وجہ سے یہ مضمون مجھے لکھنا پڑا) جو صرف کسی ایک شخص نہیں بلکہ ایک درجن لکھے پڑھے حضرات نے بھیجا، اختصار سے نقل کرتا ہوں۔ لیکن ...... نقل کفر کفر نباشد...... ایک لمبی سی فہرست بدنام زمانہ رجال کی بنائی جنہوں نے ایک دوسرے سے روایت کی۔ اور آخر میں ملعون زمانہ شخص کا نام لے کر بیان کیا:

اذکر اخاك با الکال فان لم تستطع فبا الرسالة فان لم تستطع فبسمکال وذالك اضعف الاتصال ۔ رواہ فلاں ...... وفیه فلان مجھول وحکمه ۔

حقیقت میں اس میسیج کے ذریعے رسولِ اکرم ﷺ ''فداہ ابی وامی'' کے فرمان مقدس ''من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ'' کا مذاق اڑایا ہے کہ اس حدیث کے طرز وانداز میں اس بکواس کو ترتیب دیا ہے۔ اگر ہم اس قسم کے لاابالی مزاح کا خیال نہ کریں گے تو یقیناً یہ ہماری بربادی کا سبب بن سکتے ہیں۔ کیا اس قسم کا مذاق کوئی معمولی بات ہے۔ انسانی اعمال کے متعلق خالق کائنات نے فرمایا:

﴿ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتِ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ [الزمر:٤٨]

''اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا ان کی برائیاں ان پر کھل پڑیں گے اور جس کے ساتھ وہ مذاق کرتے تھے وہ آ گھیرے گا۔''

اگر معاملہ اس قدر ہے تو لازماً ہمیں اس قسم کے میسیج سے کلی طور پر اجتناب کرنا ہوگا اور کیے ہوئے ہزلیات سے توبہ تائب ہونا پڑے گا۔ ایسا نہ ہو کہ اس قسم کے فواحش جسے ہم معمولی سمجھتے ہوں اور وہ ذرّہ ذرّہ بن کر قیامت کے دن پہاڑ جیسی صورت اپنالیں اور ہماری ہلاکت کا سبب بن جائیں۔ (اعاذنا اللہ منہ)

④ ...... تصویری میسیج: یعنی وہ میسیج جو تصویر پر مبنی ہیں۔ اگر وہ تصویر کسی غیر ذی روح چیز کی ہے تو غالباً کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر تصویر کسی ذی روح چیز کی ہے اور اکثر ایسا ہے تو یہ نہ صرف حرام ہے بلکہ ایک ملعون عمل ہے جس کے متعلق احادیث مبارکہ میں ایک سخت قسم کی وعید موجود ہے۔ لیکن آج کل افسوس در افسوس اس بات پر کہ وہ فحش اور بدکاری جو اس کے قبل ٹی وی، ڈش، سینیما تک محدود تھی آج کے مصنوعی روشن خیالی نے اس سے زیادہ ترقی بخشی کہ ہر آدمی بغیر کسی مشقت، بغیر کسی ٹکٹ کے اپنی تنہائی میں ہی دیکھ سکتا ہے۔

کئی دوستوں نے بتایا کہ بالکل ننگی تصویریں جو ایک دوسرے کو میسیج کی جاتی ہیں، یقیناً یہ صرف فحش اور بدکاری نہیں بلکہ بے حیائی اور بدکاری کی ترویج اور تبلیغ بھی ہے اور ان کے ساتھ ہمارا انتھک تعاون بھی شامل ہے، جس سے اسلام نے منع فرمایا ہے:

﴿ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب ﴾ [المائدۃ:۲]

''اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''

فرض کیجیے آپ نے ایک ''آدمی کو اس قسم کا غلط میسیج کیا جس کے پاس یہ میسیج پہنچا اس نے آگے پھیلایا۔ اس طرح وہ آگے منزلیں طے کرتا چلا گیا۔ تو جس نے بھی اس کو دیکھا اس کی ترویج کی اس سے لطف اٹھایا، تو اس کا زیادہ قصور آپ پر ہے۔ کیوں کہ اس کے معمار اوّل آپ ہی ہیں۔ تو یہ کوئی معمولی عمل ہے جس کا زہر پھیل کر ہر کسی کو تباہ کر رہا ہے۔

اب یہ فیصلہ اپنے ضمیر پر چھوڑیں کہ کیا کرنا چاہیے۔ یقیناً ایک باضمیر اور باشعور شخص یہی فیصلہ کرے گا کہ اس قسم کی خیر خواہی سے خاموشی ہی بہتر ہے۔ لہٰذا اس سے بھی اجتناب کرنا ہوگا اور اسی ہی میں بہتری ہے۔

⑤ ...... دینیہ میسیج: ہاں مجموعی طور پر میسیج کے فوائد سے انکار نہیں ہوسکتا۔ مذکور، ملعونہ، مذمومہ صورتوں کے علاوہ آپ اس کو اچھے انداز میں بھی اپنا سکتے ہیں کہ آپ اپنے گھر، اپنے دفتر اور اپنی مجلس میں ہی بیٹھ کر کسی کو دین کی تبلیغ کر سکتے ہیں۔ لازمی نہیں کہ آپ کی تبلیغ کے لیے منبر ومحراب ہو، بڑا جلسہ وجلوس ہو اور بڑا اہتمام ہو تو اس وقت آپ تبلیغ کریں۔

[باقی صفحہ نمبر ۳۰ پر]

مرکز التوحید، چوک چورہٹہ، ڈیرہ غازی خان کے زیر اہتمام

35 ویں سالانہ محفل حسن قراء ت

و تکمیل بخاری شریف

مؤرخہ 14 شعبان 1430ھ بمطابق 7 اگست 2009ء

بروز جمعہ صبح فجر تا رات گئے منعقد ہوگی

زیر صدارت: ڈاکٹر حافظ عبدالکریم حفظہ اللہ ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان

درس بخاری شریف: ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر حفظہ اللہ (اسلام آباد)

مقررین

- شیخ الحدیث مولانا محمد رفیق اثری حفظہ اللہ
- محترم مولانا حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ
- جناب الشیخ حافظ محمد شریف چنگوانی صاحب
- جناب قاری عبدالوکیل صدیقی صاحب
- قاری عبدالحفیظ صاحب فیصل آبادی
- قاری محمد یاسین بلوچ صاحب
- قاری محمد اشرف اوکاڑوی صاحب
- مولانا محی الدین صاحب
- پروفیسر محمد یحییٰ صاحب جلال پوری حفظہ اللہ
- جناب محمد عبداللہ سلفی صاحب
- مولانا شیخ الحدیث عبدالرحمٰن چیمہ صاحب
- قاری عصمت اللہ ثاقب چتروڑگڑھی
- جناب مولانا سید سبطین نقوی صاحب
- قاری سیف اللہ خالد چتروڑی صاحب
- حافظ محمد اسحاق اوکاڑوی صاحب
- جناب قاری سلطان محمود مظفرگڑھی

کے علاوہ قرأ کرام وشعرائے اسلام

خطاب فرمائیں گے، ان شاءاللہ

قاری عبدالرحیم کلیم

مدیر مرکز التوحید چوک چورہٹہ، پوسٹ بکس نمبر 44۔ ڈی جی خان

فون نمبرز: 0300-6787139 / 064-2464505

یادِ رفتگاں

مولانا محمد شریف صاحب الٰہ آبادی

ایک چراغ اور بجھا ...... تاریکی اور بڑھی

بارک اللہ صمصام، چونیاں (قصور)

مولانا محمد شریف صاحب الٰہ آبادی رحمہ اللہ آج ہم میں موجود نہیں ہیں مگر ان کی سحر بیانی نے ان کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ ۸ جون ۲۰۰۹ء بروز سوموار کی ہی تو بات ہے کہ مولانا بہاری پور (یہ گاؤں الٰہ آباد کے قریب ہے) تبلیغی جماعت ادارۃ الاصلاح الٰہ آباد کی نصرت کے لیے تشریف لائے تھے۔ تقریر کی تھکن کے باعث طبیعت میں اضمحلال پیدا ہوا۔

رات کو طبیعت کچھ اور خراب ہوگئی اور آخر کار وہ موعود گھڑی آ گئی۔ ۱۰ جون ۲۰۰۹ء کو جماعتی اور غیر جماعتی احباب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ گئے۔ مولانا کی وفات سے جماعت اہل حدیث کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ ع

بچھڑے اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی

مولانا کی عمر زیادہ نہ تھی بلکہ جوانی میں ہی تھے۔ لیکن ﴿ فعال لما یرید ﴾ قادر مطلق کا حکم برحق ہے۔

مولانا محمد شریف جنگا سنگھ والا نزد منڈی عثمان والا تحصیل وضلع قصور میں ۱۹۶۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم (دینی ودنیاوی) اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ دینی تعلیم مولانا محمد یعقوب سے حاصل کی۔ جو بڑے دور اندیش عالم دین ہیں۔ ان کی نظریں مولانا کو بھانپ گئیں اس لیے ان کے والد محمد شفیع صاحب کو آمادہ کر کے حضرت مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی مدظلہ تعالیٰ کے مدرسہ داخل کروا دیا۔

۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۹ء زیر تعلیم تعلیم وتربیت رہے۔ سند فراغت حاصل کرنے کے بعد جامع مسجد اہل حدیث کچا پکا اوتاڑ میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیے۔ کچھ وقت کے لیے جامع مسجد اہل حدیث شام کوٹ نو میں اپنی خطابت کے جوہر دکھائے۔ پھر کوٹ ارجن سنگھ نزد محمدی پور میں عرصہ دراز تک رہے۔ اسی دوران ۱۹۸۳ء میں کھڈیاں خاص میں دینی گھرانہ میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی خطابت میں بھی نکھار آتا گیا۔

۱۹۸۶ء میں جماعت اہل حدیث الٰہ آباد نے مولانا کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا۔ جماعتی تگ ودو کے نتیجے میں ۲۰ دسمبر ۱۹۸۶ء کا خطبہ جمعۃ المبارک الٰہ آباد میں دیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسجد قدس تنگی داماں کا شکوہ کرنے لگی۔ نمازی سڑکوں پر صفیں بچھاتے بچھاتے چوک تک پہنچ گئے۔ مسجد کی توسیع وتعمیر میں مولانا نے خاص دلچسپی لی۔ جس کی بدولت ۲۰۰۳ء تک تین منزلہ مسجد ایک کروڑ ۶۲ لاکھ روپے کی لاگت سے تیار ہوگئی۔ جو یقیناً ان کی اخروی زندگی کا بہترین سرمایہ ہے۔

عرصہ ۱۸ سال تک اسی مسجد قدس الٰہ آباد کے ساتھ منسلک رہے۔ مقامی جماعت میں اختلافات کے سبب ۲۰۰۴ء میں خطابت سے مستعفی ہوگئے۔ مولانا محمد شریف الٰہ آبادی کا بقیۃ السلف حافظ محمد یحییٰ صاحب عزیز میر محمدی رحمہ اللہ کے ساتھ بڑا گہرا تعلق تھا۔ اس لیے انہوں نے ادارۃ الاصلاح الٰہ آباد کی بنیاد ۲۰۰۶ء میں رکھی۔ یہ کافی وسیع وعریض جگہ ہے جس کی تعمیر مولانا کی حیات مبارکہ میں الحمد للہ مکمل ہو چکی تھی۔ یہ انتہائی شاندار مسجد وعمارت مولانا کی دینی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۱۹۸۸ء میں حج کا فریضہ ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ دوسری مرتبہ ۲۰۰۳ء کو فریضہ حج ادا کیا۔

تین مرتبہ (۱۹۹۸ء،۲۰۰۴ء، ۲۰۰۸ء کو) عمرہ ادا کرنے کا موقع بھی ملا۔ مولانا خاندانی لحاظ سے کمبوہ برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا کے چار بیٹے ایک بیٹی ہے۔

بڑا بیٹا محمد عمران کافی حد تک دینی تعلیم سے بہرور ہو چکا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد از جلد اسے مولانا مرحوم کا جانشین بنا دے، آمین۔

مولانا صاحب ک زندگی انتہائی مصروف تھی۔ ہر روز کہیں نہ کہیں پروگرام ہوتا۔ وعدہ کی پابندی ان کی فطرت میں شامل تھی۔

مساجد کے ساتھ محبت، علماء کا احترام، ذکر اللہ سے زبان کو تر رکھنا، حاسدوں کو نظر انداز کر دینا، ہر ایک کو حسن اخلاق سے ملنا ان کے اخلاق میں شامل تھا۔

ایک دفعہ یونین کونسل الہ آباد کا ناظم کا الیکشن بھی لڑا مگر بدنصیبی سے اپنے ہی کچھ مخالف ہوگئے جس کی وجہ سے چند ووٹوں سے شکست کھا گئے۔

مولانا محمد شریف رحمہ اللہ کا شمار مولانا معین الدین لکھوی کے قریبی ساتھیوں میں ہوتا ہے۔ ہمیشہ جماعتی پالیسیوں کی پابندی کی ہے۔

مولانا اخلاق کا پیکر تھے۔ مسائل کے اندر کبھی لچک نہ دکھائی۔ زبان کی مٹھاس کے ساتھ ہر حق بات بلاتفریق سنا دیتے تھے۔ کسی کے رعب، لالچ کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔

ان کے خطبات بہت زیادہ ہیں تاہم کچھ خطبات ۲ جلدوں میں خطبات الہ آبادی کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔

کافی عرصہ سے بیمار تھے۔ شوگر کے مرض نے کھوکھلا کر دیا تھا۔ ڈاکٹروں نے خطابت سے منع کر رکھا تھا۔ لیکن مولانا فرماتے تھے کہ موت کا دن معین ہے جب تک زندہ ہوں تبلیغ دین سے باز نہیں رہ سکتا۔

زندگی کے آخری ایام میں مالی حالات ناگفتہ بہ رہے۔ علاج مہنگا تھا۔ آمدن کوئی نہ تھی۔ مگر خودداری کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ کسی اپنے، بیگانے کے سامنے تذکرہ تک نہ کیا۔

مولانا مرحوم کی خطابت کی شہرت چہار سو تھی۔ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک ان کے خطبات پر نئی کیسٹوں کی مانگ ہے۔

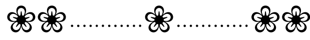
مولانا بلاشبہ جماعت کا عظیم سرمایہ تھے۔ محبوب ترین عوامی خطیب تھے۔ ہر دل کی دھڑکن اور آرزو تھے۔ اسی لیے ان کی وفات کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔

جنازہ میں لوگوں کا ایک سمندر تھا۔ نہ جانے کہاں کہاں کے لوگ آ گئے کہ جنازے کے انتظامات سارے کے سارے ناکافی ہو گئے۔ ہم نے ضلع قصور کی تاریخ میں اتنا بڑا جنازہ کسی کا نہیں دیکھا۔

مولانا کی وصیت کے مطابق جنازہ مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی نے پڑھانا تھا۔

پہلا جنازہ سید ضیاء اللہ شاہ بخاری صاحب نے پڑھایا۔ دوسرا حضرت مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی نے پڑھایا جب کہ تیسرا جنازہ قبرستان پر عبدالرؤف ڈوگر نے پڑھایا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی لغزشوں سے درگزر فرمائے اور علیین میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین یا ربّ العالمین



[بقیہ: میسیج کی ضرورت اور استعمال]

بلکہ اس میسیج کے ذریعے (جو ایک دلکش اور دل موہ لینے والے فقرے پر مشتمل ہو) ایک غیر مسلم کو اسلام کی دعوت، ایک بے نمازی کو نماز کا حکم، فاحش اور بدکار کو اس سے اجتناب اور ایک بے پردہ کو پردے کا حکم اور آخرت سے بے خبر کو خبردار کرنا، یہ سب کام آپ بڑے سکون واطمینان سے کر سکتے ہیں۔ **مالم یکن اثما**

جس کے لیے آپ کو بڑی مشقت برداشت نہیں کرنی پڑتی اور اپنا فریضہ بھی انجام دے سکتے ہیں۔

الحاصل:

ہر چیز سے فائدہ ونقصان انسان کی اپنی طبیعت پر موقوف ہے۔ اسی طرح میسیج سسٹم میں بھی یہی دونوں پہلو موجود ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس سے اچھا فائدہ اٹھائیں نہ کہ اپنے آپ کو کسی ہلاکت اور معصیت میں ڈال دیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو دین حنیف پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

تذکرۂ اخیار

حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی رحمہ اللہ

عبدالرشید عراقی

۱۲۵۸ھ میں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی (م ۱۲۶۲ھ) نے مکہ معظّمہ ہجرت کی۔ تو ان کی مسند تدریس پر اُن کے تلمیذ رشید حضرت میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) متمکن ہوئے۔ حضرت میاں صاحب نے مکمل ۶۲ سال تک دہلی کی مسجد اورنگ آبادی میں تفسیر، حدیث اور فقہ کی تدریس فرمائی۔ اس عرصے میں بلا مبالغہ ہزاروں طلباء ان سے مستفید ہوئے۔ جن کا شمار ممکن نہیں۔

﴿ لا یعلم جنود ربك الا هو ﴾

مولوی ابویحییٰ امام خاں نوشہروی (م ۱۹۶۶ء) لکھتے ہیں کہ

''شاہ اسماعیل شہید کے اس مسابقت الی الجہاد وفوز بہ شہادت کے بعد ہی دہلی میں الصدر الحمید مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب کا فیضان جاری ہوگیا۔ جن سے شیخ الکل میاں صاحب السید محمد نذیر حسین محدث دہلوی مستفیض ہو کر دہلی کی مسند تحدیث پر متمکن ہوئے۔

میاں صاحب کا یہ درس ساٹھ برس تک قائم رہا۔ ابتداء میں تمام علوم پڑھاتے رہے مگر آخری زمانہ میں صرف حدیث وتفسیر پر کاربند رہے۔''

[ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، ص: ۱۹، ۲۰]

حضرت میاں صاحب کی تدریسی خدمات کے بارے میں علامہ سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) کے لکھتے ہیں کہ

''علمائے اہل حدیث کی تدریسی وتصنیفی خدمت قدر کے قابل ہے۔ پچھلے عہد میں نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم کے قلم اور مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی تدریس سے بڑا فیض پہنچا۔ بھوپال ایک زمانہ تک علماء حدیث کا مرکز رہا۔ قنوج، سہسوان اور اعظم گڑھ کے بہت سے نامور اہل علم اس ادارہ میں کام کر رہے تھے۔ (شیخ حسین عرب یمنی ان سب کے سرخیل تھے۔) اور دہلی میں مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب کی مسند درس بچھی تھی۔ اور جوق در جوق طالبین حدیث مشرق ومغرب سے اس درس گاہ کا رخ کر رہے تھے۔'' [تراجم علمائے حدیث ہند، طبع دہلی، ص: ۳۶]

علامہ محمد عزیر شمس حفظہ اللہ لکھتے ہیں کہ

''مولانا شاہ محمد اسحاق (م ۱۲۶۲ھ) کی ہجرت (۱۲۵۸ھ) کے بعد ان کے جانشین حضرت میاں صاحب سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) ہوئے اور مکمل ۶۲ سال تک کتاب وسنت کی تدریس وتعلیم میں یکسوئی کے ساتھ مشغول رہے۔ اس عرصہ میں بلا مبالغہ ہزاروں طلباء ان سے مستفید ہوئے۔ میاں صاحب کے تلامذہ نے ہندوستان میں پھیل کر خدمت اسلام کا ایک ایک میدان سنبھال لیا۔ اور پوری زندگی اشاعت کتاب وسنت میں گزار دی۔'' [مولانا شمس الحق عظیم آبادی (حیات وخدمات) طبع دوم ۲۰۰۸ء، ص: ۲۹]

ذرائع:

حضرت میاں صاحب کے خدمت دین اسلام واشاعت کتاب وسنت کے سلسلہ میں جو ذرائع اختیار کیے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

① ...... درس وتدریس
② ...... وعظ وتبلیغ
③ ...... تصنیف وتالیف
④ ...... تصوف وسلوک کی راہوں سے آئی ہوئی بدعات کی

تردید، اور صحیح اسلامی زہد و عبادت اور روحانیت کا درس۔

⑤...... باطل افکار و نظریات کی تردید اور مسلک حق کی تائید

⑥...... تحریک جہاد

درس و تدریس:

درس و تدریس اور کثرتِ تلامذہ میں حضرت میاں کے جانشین استاد پنجاب حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی (م ۱۳۳۴ھ)، مولانا حافظ عبداللہ محدث غازی پوری (م ۱۳۳۷ھ) اور مولانا عبدالوہاب صدری دہلوی (م ۱۳۵۱ھ) سرفہرست ہیں۔ ان علمائے کرام نے ساری زندگی حدیث پڑھنا اور پڑھانا مشغلہ رکھا۔ ☆

مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کے بارے میں علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ

درس گاہ میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے ایک نامور حافظ عبداللہ غازی پوری ہیں۔ جنہوں نے درس و تدریس کے ذریعہ خدمت کی اور کہا جا سکتا ہے کہ مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب کے بعد درس کا اتنا بڑا حلقہ اور شاگردوں کا مجمع ان کے سوا اور کسی کے شاگردوں میں نہیں ملا۔ [تراجم علمائے حدیث ہند، ص: ۳۷]

مولانا عبدالوہاب صدری دہلوی کی تدریسی عمر ۵۰ سال ہے اور اس ۵۰ سالہ دورِ تدریس میں علماء کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے استفادہ کیا۔ [شیخ عبداللہ الغزنوی، ص: ۱۵۱]

صاحب تذکرہ:

حافظ عبدالمنان وزیر آبادی بن شرف الدین ۱۲۶۷ھ میں موضع کرولی تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں ان کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ مگر ۹ سال کی عمر میں نزول الماء کے عارضہ سے آنکھوں کی بینائی سے معذور ہو گئے۔ اسی حالت میں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ حصولِ تعلیم کے سلسلہ میں مختلف شہروں کے علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے۔

مولانا حکیم سید عبدالحی الحسنی فرماتے ہیں کہ

آپ نے شیخ عبدالجبار ناگپوری، حکیم محمد احسن حاجی پوری مولوی برہان الدین ہتساروی، مولوی قل احمد چکوی، مولانا محمد مظہر نانوتوی، مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی اور مولانا شیخ عبدالحق بنارسی سے استفادہ کیا پھر آپ امرتسر تشریف لے گئے اور وہاں مستقل دو سال رہ کر شیخ کبیر عبداللہ غزنوی کی خدمت میں رہ کر فیوض و برکات حاصل کیے۔

ثم سار الی امرتسر ولازم الشیخ الکبیر عبدالله الغزنوی سنتین کاملین واستفاض منه فیوضاً کثیرة ۔ [نزھة الخواطر: ۸/ ۳۱۱]

فراغت تعلیم کے بعد:

امرتسر میں حضرت عبداللہ غزنوی کی خدمت میں آپ کا قیام دو سال تک رہا۔ اپنے قیام امرتسر کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ

میری عمر ۲۰ سال کی تھی جب جناب سید عبداللہ غزنوی نے مجھے امرتسر میں درسِ حدیث کی مسند پر بٹھایا۔ چناں چہ کچھ عرصہ تک امرتسر میں درس دیتا رہا۔

[تاریخ اہل حدیث، مطبوعہ لاہور، ص: ۴۲۷]

وزیر آباد آمد

۱۲۹۲ھ میں آپ وزیر آباد تشریف لے آئے اور دارالحدیث کے نام سے ایک دینی درسگاہ کی بنیاد رکھی اور کتاب وسنت کی تدریس میں

☆ حضرت میاں صاحب کے تلامذہ میں بے شمار حضرات مسند تدریس کے مالک رہے۔ جنہوں نے ساری زندگی قرآن وحدیث کی تدریس میں بسر کر دی۔ مثلاً: عارف باللہ مولانا سید عبداللہ غزنوی (م ۱۲۹۸ھ) اور آپ کے صاحبزادگان عالی مقام مولانا سید عبدالجبار غزنوی (م ۱۳۳۱ھ)، مولانا عبدالرحیم غزنوی (۱۳۴۲ھ) اور پوتے مولانا سید عبدالاول غزنوی (م ۱۳۳۱ھ)، مولانا عبدالغفور غزنوی (م ۱۹۳۵ء)، مولانا شمس الحق ڈیانوی (م ۱۳۲۹ھ)، مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری (م ۱۲۵۳ھ)، مولانا عبدالسلام مبارک پوری صاحب سیرۃ البخاری (م ۱۳۴۲ھ)، مولانا محمد سعید محدث بنارسی (م ۱۳۲۲ھ)، مولانا عبدالجبار عمر پوری (م ۱۳۳۴ھ)، مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی (م ۱۳۶۲ھ)، مولانا سید احمد حسین دہلوی (م ۱۳۳۸ھ)، مولانا محمد بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ)، مولانا حافظ ابراہیم آروی (م ۱۳۱۹ھ)، مولانا حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی (م ۱۳۱۱ھ)، اور مولانا ابوسعید شرف الدین محدث دہلوی (م ۱۳۸۱ھ) اور کئی دوسرے اصحاب تدریس جن کی ساری زندگی درس و تدریس میں بسر ہوئی۔

مشغول ہوئے۔ وزیر آباد آمد کے بارے میں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ حضرت حافظ صاحب فرمایا کرتے تھے:

جب میں وزیر آباد آیا۔ ابتداء میں یہاں بعض لوگوں نے شدت سے میری مخالفت کی۔ چناں چہ بعض اوقات مجھے گٹھڑی کی طرح باندھ کر باہر کھیتوں میں پھینک دیا جاتا۔ میں پھر شہر میں آ جاتا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ خدا تعالیٰ نے اکثر لوگوں کو میرا عقیدت مند بنا دیا۔ [تاریخ اہل حدیث، ص:۴۲۷]

تدریس:

وزیر آباد میں آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ نے اپنی زندگی میں ۳۵ مرتبہ سے زیادہ کتب ستہ کا درس دیا۔

[نزہۃ الخواطر:۳۱۲/۸]

تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ صاحب عون المعبود مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی فرماتے ہیں:

لا اعلم أحدا في تلامذة السيد نذير حسين المحدث اكثر تلامذة قد ملاء پنجاب بتلامذة۔

[ایضاً، ص: ۸/ ۳۱۲]

"میں نے میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے شاگردوں میں کسی کے شاگردان سے زیادہ نہیں دیکھے۔ آپ نے پنجاب کو شاگردوں سے بھر دیا۔"

مشہور تلامذہ:

آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، امام العصر مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مناظر اسلام مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا حکیم پروفیسر عبدالرحمٰن شاہ پوری، مولانا عبدالحمید سوہدروی (والد ماجد مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی)، مولانا عبدالقادر لکھوی، مولانا محمد علی لکھوی، مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی، مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی، مولوی ابوالبشر مراد علی کئو روی سوہدروی، مولوی حکیم عبداللہ خاں نصر سوہدروی، شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی، مولانا عمر الدین وزیر آبادی، مولوی عبدالرحمٰن خلیل نظام آبادی وغیرہم۔ [ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، ص:۱۸۷، تذکرہ محدث وزیر آبادی]

مولانا محمد باقر تاندلیانوالہ، مولوی عبدالحق بدھا گورایہ، ان کے علاوہ مولانا غلام رسول قلعہ میہاں سنگھ والا کے دونوں صاحب زادے مولانا عبدالقادر اور مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالغنی آف گل والہ بھی ان کے شاگردوں میں شامل تھے۔ [ص:٦٦، استاد پنجاب از مولانا عبدالمجید سوہدروی، طبع ۱۹۷۸ء]

علم وفضل:

مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی لکھتے ہیں کہ

آپ کو لغت اور نحو میں کامل دستگاہ تھی، رجال کی جرح وتعدیل، ان کے طبقات اور تمام فنون حدیث پر کامل دستگاہ تھی۔ آپ کو حدیث میں عالی ونازل اور صحیح وضعیف کے علاوہ قرآن وحدیث کی متن بھی از بر تھی۔ [نزہۃ الخواطر:۳۱۲/۸]

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ

آپ کو علم حدیث کے ساتھ ایک نادر عشق تھا۔ چناں چہ تدریس کے وقت جو کیفیت آپ پر طاری ہوتی تھی اس کا اثر اہل ذوق طلباء پر بھی پڑتا تھا۔ [تاریخ اہل حدیث، ص:۴۲۷]

تعصب سے بالا تھے:

بعض علمائے کرام اپنے مسلک میں بہت متشدد ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت محدث وزیر آبادی میں یہ وصف بدرجہ اتم پایا جاتا تھا کہ آپ تعصب سے پاک تھے۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ

آپ ائمہ دین کا بہت ادب کرتے تھے۔ چناں چہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ائمہ دین اور خصوصاً حضرت امام ابوحنیفہ کی بے ادبی کرتا ہے۔ اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا۔

[ایضاً، ص:۴۲۸]

حضرت میاں صاحب سے ملاقات:

۱۹۰۱ء میں حضرت حافظ صاحب اپنے شیخ حضرت مولانا سید محمد

نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سے ملنے کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔ میاں صاحب کی عمر اس وقت سو سال سے زیادہ ہو چکی تھی اور آنکھوں کی بینائی بھی کمزور ہو چکی تھی۔ حضرت حافظ صاحب حضرت شیخ الکل سے مصافحہ کر کے ان کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے، اور فرمایا:

حضرت مجھے پہچانا ہے۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا ہاں پہچان لیا ہے۔ تم عبدالمنان وزیر آبادی ہو۔ اب مجھے اللہ کی جناب سے پورا یقین ہو گیا ہے کہ وہ مجھے نجات دے دے گا۔ عبدالجبار غزنوی، محمد بن بارک اللہ لکھوی اور تم نے پنجاب میں دین اسلام اور کتاب وسنت کی اشاعت میں جو خدمات انجام دی ہیں ان کے پیش نظر مجھے قوی امید ہوگئی ہے کہ میری نجات ہو جائے گی۔

اس کے بعد میاں صاحب نے اپنے سر سے پگڑی اتاری اور حافظ صاحب کو عنایت کی۔ اور فرمایا کرتے عبدالجبار لے گیا تھا اور اب یہ پگڑی تم لے جاؤ۔ چناں چہ یہ پگڑی حضرت حافظ صاحب نے اپنے پاس سنبھال کر رکھی۔

وفات:

حضرت حافظ صاحب نے ۱۶ر رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ کو انتقال کیا۔ (حضرت میاں صاحب کی پگڑی بطور کفن استعمال کی گئی۔) مولانا ابوعبید اللہ غلام حسن سیالکوٹی (م ۱۳۳۶ھ) (آپ کے سمدھی) نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ کو پرانی چونگی سیالکوٹ روڈ وزیر آباد کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے اس روز فرمایا کہ

آج اس زمانے کا امام بخاری فوت ہو گیا ہے۔

[تاریخ اہل حدیث، ص:۴۳۰]

❀❀............❀............❀❀

16 افراد کا قبولِ مسلک اہل حدیث

3 اور 4 اپریل بروز جمعۃ المبارک، ہفتہ جامع محمدیہ اہل حدیث جام پور ضلع راجن پور میں منعقدہ اہل حدیث کانفرنس کے موقع پر 16 افراد نے مسلک اہل حدیث قبول کیا۔ کانفرنس کی صدارت حضرت مولانا محمد یاسین راہی نے فرمائی۔ سید سبطین شاہ نقوی اور مولانا عبدالعزیز راشد فیصل آبادی کی مؤثر تقاریر سے لوگ بڑے مستفید ہوئے۔ احباب ان نئے مسلکی ساتھیوں کے لیے استقامت کی دعا فرمائیں۔ [محمد زبیر عابد شیخوپوری]

متفرقات

سیاسی رہنما یوں خدمت صیاد کرتے ہیں
کہ صرصر کے عوض نقد چمن برباد کرتے ہیں

کہاں تک کوئی ان کی ہمنوائی پر ہو آمادہ
یہ ظالم آئے دن اک مخمصہ ایجاد کرتے ہیں

خود اپنی قوم سے جو کچھ کیا ان خردہ گیروں نے
اسی کی آڑ میں ہنگامہ و فریاد کرتے ہیں

کمال ان کا یہی ہے خانماں برباد لوگوں کو،
کبھی آباد کرتے ہیں کبھی برباد کرتے ہیں

کہا اک رند نے کل شام یارانِ سرِپُل سے
ہمیں دانشوروں کے طائفے برباد کرتے ہیں

یہ ہے عقل جنوں پیشہ وہ ہے عشق خرد ساماں
فقیہہ شہر اس بارے میں کیا ارشاد کرتے ہیں

کچھ ایسے باغبان اس مادر گیتی نے پالے ہیں
کہ ہر شاخ نشیمن رہن برق و باد کرتے ہیں

جب ان کی پے بے پے حملوں سے دل لاچار ہوتا ہے
تو ہم اپنے خدا کی بجلیوں کو یاد کرتے ہیں

[شورش کاشمیری]